ماہنامہ

قلندر شعور

اگست ۲۰۲۳ء

سکون زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے
اور روح کے عرفان کے بغیر سکون نہیں ملتا

نانا تاج الدینؒ
شہنشاہ ہفت اقلیم

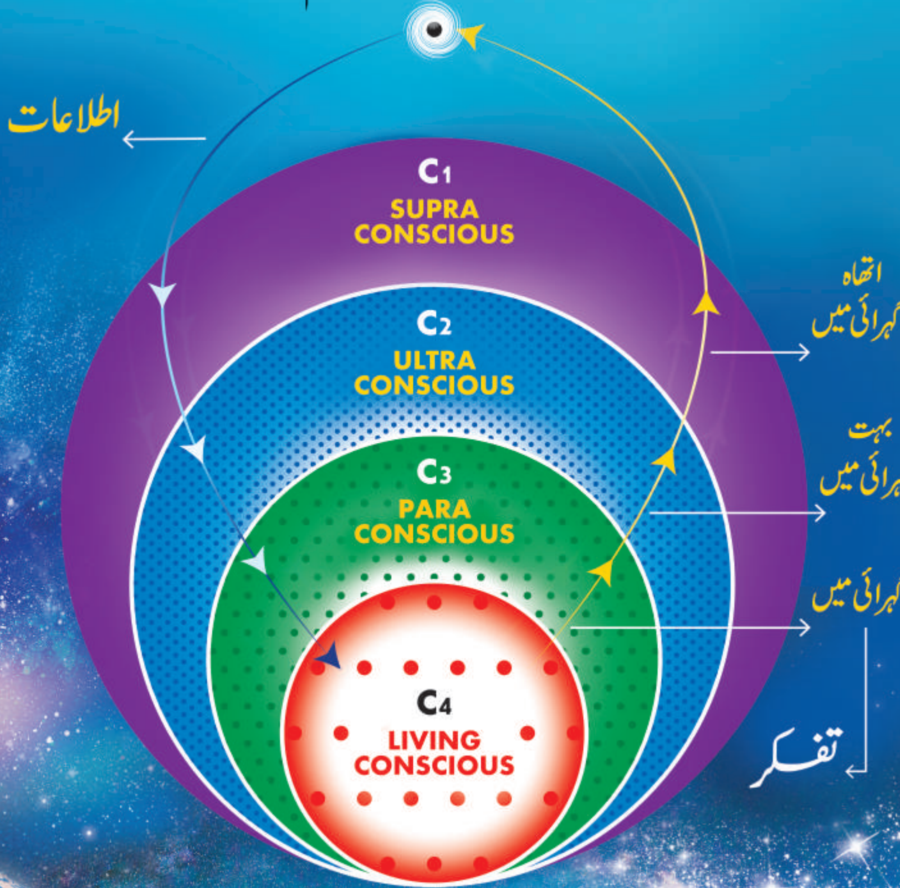

27

دل گداز

خواتین و حضرات کے نام

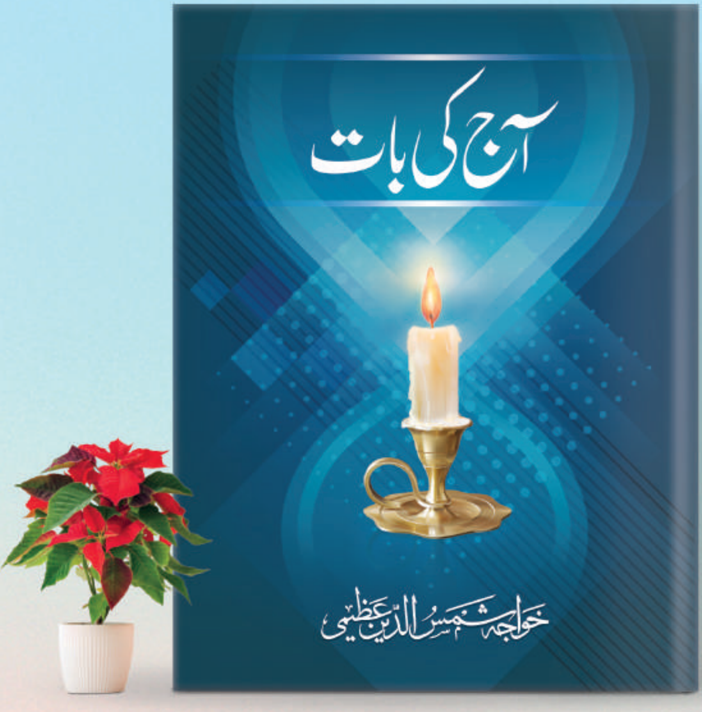

ملنے کا پتہ : عظیمی یونیورسٹی پریس® کراچی

رابطہ نمبر : +92-213-6417843

زیر سرپرستی

اللہ کے دوست حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی

فری ممبرشِپ

عظیمیہ روحانی لائبریری

جنڈ، اٹک

روحانی علوم کے متلاشی خواتین وحضرات، راہِ سلوک کے مسافر اور روحانی سائنس میں دلچسپی رکھنے والے طلبہ وطالبات کے لئے عظیمی صاحب کی تحریر کردہ اور تصوف کی دیگر کتابیں مطالعہ کے لئے موجود ہیں۔

اوقات: عصر تا مغرب روزانہ

حاجی بازار، جنڈ، اٹک۔ موبائل نمبر: 03009145175

قلندر شعور اکیڈمی

مراقبہ ہال حیدر آباد

زیر سرپرستی خانوادہ سلسلہ عظیمیہ

قلندر شعور ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ ہم کائناتی تخلیقی فارمولوں کے تحت
اپنے اندر روحانی صلاحیتوں کو متحرک کر سکتے ہیں۔

**روحانی علوم کے متلاشی، راہِ سلوک کے مسافر اور روحانی سائنس میں
دلچسپی رکھنے والے خواتین و حضرات کے لئے خوش خبری**

گلشن شہباز، نزد ٹول پلازہ، جامشورو حیدر آباد، 71000 ، پاکستان

فون نمبر: 0331-3615533 ، 0333-2695331

DEFENCE
3D - OPG - CEPH

3 DIMENSIONAL DENTAL IMAGING CBCT SYSTEM

KARACHI

3D

Free software provide with implant library to all consultant for Nerve Tracing. Cephalomatric Tracing, Implant Planing.

Maxillofacial

Implant Planning

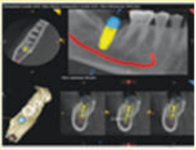

OPG

CEPH

Take Your Practice to the Next Level !

Defence branch:
0213-8941506 - 0343-7180348
Building # 7-C, Shop # 1, Street 10, Badar Commercial Area, Phase 5 Ext. DHA, Karachi.

Sharfabad branch:
0213-4920777 - 0320-4690899
Plot # 87, Shop # 2, Zulekha Tower, Block-3, BMCH Society, Main Jamal-ud-Din AfghaniRoad, Sharfabad, Karachi.

Email: info@3d-diagnostic.pk Web: www.3d-diagnostic.pk

ONLINE COACHING

From class 9th to BSc

Tania Riaz

Qualification:

BSc in Double Maths & Physics

Experience:

6 Years of experience in Teaching

Subjects to Teach

- Mathematics
- Physics
- Computer

More Info

GMAIL
taniariaz551@gmail.com

Call us
+92 332 8875 840

A GREAT PLACE TO LEARN ONLINE

5th to Msc
for all subject

- One paper preparation
- General Knowledge

Enrol Now

More Info

GMAIL
azka.info94@gmail.com

Call us :
+92 300 1208419

جلد 11 شمارہ 7 | اگست 2023ء | محرم ـ صفر 1445ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

قلندر شعور کراچی

Neutral Thinking

(اردو ـ انگریزی)

سرپرست اعلیٰ

حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

چیف ایڈیٹر

خواجہ شمس الدین عظیمی

ایڈیٹر

حکیم سلام عارف

سرکولیشن منیجر

محمد ایاز

باہتمام عظیمی یونیورسٹی پریس ـ پبلشر شاہ عالم عظیمی نے ابن حسن آفسیٹ پرنٹنگ پریس، ہاکی اسٹیڈیم، کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

فی شمارہ 130 روپے..... سالانہ ہدیہ 1944 روپے رجسٹرڈ ڈاک کے ساتھ، بیرونِ پاکستان 75 امریکی ڈالر سالانہ

B-54، عظیمی محلہ، سیکٹر C-4 سرجانی ٹاؤن کراچی، پاکستان ـ فون نمبر: 6912020 (0)213 92+

۲۸ مضامین کا گُل دان

حمد باری تعالیٰ	کرمؔ حیدری	10
نعت رسول مقبول ﷺ	سہیلؔ اعظم	11
رباعیات	ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاءؒ	12
آج کی بات	مدیر مسئول	14
فقیر کی ڈاک	ادارہ	19
نامے میرے نام	خانوادہ سلسلہ عظیمیہ	22
ہر ذی ہوش تفکر ہے	ڈاکٹر نعیم ظفر (Ph.D.)	27
ہم اپنے نام کے ساتھ رہتے ہیں	گلِ نسرین	33
شعور نے کہا	عثمان طاہر	41
س و ا ل	خورشید احمد	47
گھڑی کا پنڈولم	عاصم بیگ (B.Sc. Software Engr.)	51
زرد پتھر	فوزیہ طاہر	57
زندہ غار	زاہدہ تبسم (M.Sc.Zoology)	63

کِس نے سنا ________ عرفانہ شہزاد 69

لکھنؤ کا دسترخوان | گھی روٹی ________ مرزا جعفر حسین 75

رکاوٹ کیا ہے؟ ________ اظہر حسین 81

لگائی بجھائی ________ آسیہ روبی 87

خوب صورت دنیا ________ ادارہ 93

درد کی دوا پائی، درد بے دوا پایا ________ عابد محمود 95

پورب کے ہم زاد ________ (M.Sc. Applied Physics) محمد عدنان خان 101

343 میٹر فی سیکنڈ ________ عبداللہ 109

جون 2023ء کے سرورق کی تشریح ________ قارئین 114

اقتباسات ________ خواتین و حضرات 117

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر ________ خواجہ شمس الدین عظیمی 119

125 Bilal Ahsan ________ Time

129 Bibi Anuradha (UAE) ________ Act — React

135 Khalida Zubair (M.Sc.Botany) ________ The Power of Voice

138 Abdal-e-Haq Huzoor Qalandar Baba Auliya[RA] ________ Every Consciousness is Contemplation

حمد باری تعالیٰ

کرمؔ حیدری

اے خالقِ وجود و عدم، صورت و خیال
اے مالکِ فنا و بقا، ربِ ذوالجلال
تو اصلِ ہر کمال ہے، تو شانِ ہر جمال
دنیا تمام ہے ترا آئینۂ خیال
سب سلسلے ہیں تجھ سے غیاب و شہود کے
پابندِ امر تیرے شب و روز و ماہ و سال
تیرا کوئی شریک نہ ساتھی نہ ہم عناں
تیرا کوئی مثیل، نہ تیری کوئی مثال
جس دل میں تیری شمعِ محبت ہو ضوفگن
اس دل میں روشنی کے خزینے ہیں لازوال
اک ذرّہ بے حقیقت و ناچیز میں بھی ہوں
پھیلا رہا ہوں در پہ ترے دامنِ سوال
تو نے ہی دی ہے دل کو مرے روشنی کی دُھن
تو ہی عطا کر اپنا اسے پرتوِ جمال
لغزش ہوئی ہے پائے کرمؔ کو بھی بارہا
لیکن ترے کرم نے لیا ہے اسے سنبھال

نعت رسول مقبول ﷺ

سہیلؔ اعظم

احمد مرسل، فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
مظہرِ اوّل، مرسلِ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم

جسم مزکّیٰ، روحِ مصوّر، قلب مجلّٰی، نورِ مقطّر
حُسنِ سراپا، خیرِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم

وہ مصداق دَنیٰ فَتدَلّٰی جس کی منزل عرشِ معلّٰی
نکتہ مَا اَوحی کا محرم صلی اللہ علیہ وسلم

علمِ لدُنّی شانِ رحیمی، خلق خلیلی شانِ کریمی
زہدِ مسیحا، عفتِ مریم صلی اللہ علیہ وسلم

برمغِ فارس*، قدس کے رہباں، کشورِ بابل، وادیِ کنعاں
سب کی زباں پر مژدہ مقدم صلی اللہ علیہ وسلم

وہم کی ہر زنجیر کو توڑا، رشتہ ایک خدا سے جوڑا
شرک کی محفل کردی برہم صلی اللہ علیہ وسلم

سیّدِ بطحیٰ، مخبرِ صادق، عروۂ وثقیٰ* مصحف ناطق
برزخِ کبریٰ، آیۂ محکم صلی اللہ علیہ وسلم

* برمغ (مرکزیت) * عروۂ وثقیٰ (مضبوط گرفت)

شکستوں کی صدا

یہ بات مگر بھول گیا ہے ساغر
انسان کی مٹی سے بنا ہے ساغر
سو بار بنا ہے بن کے ٹوٹا ہے عظیمؔ
کتنی ہی شکستوں کی صدا ہے ساغر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے لئے اور خود تمہارے نفوس میں تو کیا تم دیکھتے نہیں؟" (الذّٰریٰت : ۲۰۔۲۱)

رباعی میں لفظ "مگر" شاید کا ہم معنی ہے۔ مصرعہ اول کی نثر یوں ہے، "شاید یہ بات ساغر بھول گیا ہے۔" یہاں شاید کا مفہوم ایک لطیف پیرایہ میں تجاہلِ عارفانہ اور شانِ بے نیازی کا آئینہ دار ہے۔ حضور قلندر باباؒ نے ساغر کے استعارہ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب کسی شے کو کسی دوسری شے کی بنیاد پر فروغ و عروج حاصل ہوتا ہے تو وہ اپنی بنیادی حقیقت سے بے اعتنائی برتنے لگتی ہے اور اپنی موجودہ پوزیشن کو اپنی ہی کوششوں اور صلاحیت کا ثمر قرار دیتی ہے تاکہ حقیقت پر پردہ پڑا رہے اور اس کا بھرم قائم رہے۔ ساغر یوں تو اپنی اصل میں مٹی کا تودہ ہے۔ مٹی کی فطرت میں نکھار آگیا اور اس میں بند شراب، لذت و مستی میں دوچند ہوگئی مگر کیف و سرخوشی کے اس عالم کو جو اہلِ مے خانہ پر طاری ہے، ساغر نے اسے اپنا کمال اور اعجاز سمجھ لیا اور انسان کی عظمت کو فراموش کردیا جس مٹی کے طفیل وہ وجود میں آیا۔ اس ساغر کو وجود میں لانے کے لئے انسان نے اپنا وجود حوادث و آلام کے حوالے کردیا۔

انسان کی تخلیق کا مرکز اور نقطۂ کمال اس کا دل ہے جو مرجعِ اضطراب و آلام بھی ہے اور اس کی خوشیوں اور شادمانیوں کا سرچشمہ بھی "دل" ہے جو ٹوٹتا اور بنتا ہے اور اسی شکست و ریخت سے جوہر نکھر جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں عالمِ رنگ و بو کی عکس ریزی اس کی قیمت بڑھا دیتی ہے اور یہی وہ آئینہ ہے جس کی ٹوٹ پھوٹ خود آئینہ ساز ہے۔ وہ اپنے فن کا مظاہرہ کر کے اس کی بقا کا سامان کرتا ہے۔

آپ اس خوب صورت اور بظاہر سادہ رباعی کو جس انداز میں چاہیں، مطالعہ کر سکتے ہیں۔ اس میں فلسفۂ اخلاق کے ضمن میں تشکر و احسان مندی اور اپنی اصل پر غور و فکر کا پہلو مخفی ہے اور رندی و خراباتی کی فضا میں سرخوشی اور مستی کی کیفیت بھی ہے۔

آج کی بات

ہر شے وجود ہے اور وجود وقت اور فاصلے کی بساط پر قائم ہے۔ فاصلہ وقت میں طے ہوتا ہے اور وقت خود کو فاصلے میں ظاہر کرتا ہے جیسے پانچ منٹ تب مظہر بنتے ہیں جب پانچ منٹ کی مسافت ہو۔ وقت اور فاصلے کی ایکویشن جاننے کے لئے ایک سفر کی روداد پڑھئے۔

یہ کردار زندگی کی عکاسی کرتے ہیں۔

چھوٹے بڑے قد کے دو مسافر سڑک پر چل رہے تھے۔ چلنے کی رفتار ایک تھی لیکن چھوٹے قد کے آدمی کا قدم چھوٹا تھا جب کہ بڑے قد کے آدمی کا قدم زیادہ فاصلے پر پڑتا تھا۔ قدم آگے اٹھتے تھے مگر سڑک پیچھے تہ ہو رہی تھی جیسے کوئی صف لپیٹ رہا ہو۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک اور مسافر شریکِ سفر ہوا جس کا قد بڑا تھا۔ چلتے چلتے سڑک پیچھے رہ گئی اور آنکھوں کے سامنے ......سامنے کی سڑک پھیلتی گئی۔ جب دو قدم اٹھتے تھے تو تیسرے قدم پر سڑک پیچھے رہ جاتی تھی۔ جیسے جیسے سڑک پیروں کے نیچے سے نکل رہی تھی، اسی مناسبت سے کی سوئی گردش کر رہی تھی۔

پہلے مسافر نے گھڑی دیکھ کر کہا، چلتے ہوئے 20 منٹ ہو گئے ہیں۔ ہم چلتے ہیں تو زمین ہمیں دھکیلتی ہے۔ ہوا یہ کہ قدموں کے نیچے سے سرکنے والی سڑک جب گزوں یا فرلانگ میں پیروں کے نیچے سے نکل گئی تو 20 منٹ کا وقت گزر گیا۔

چھوٹے قد مسافر نے کہا، ہم آگے بڑھ رہے ہیں، سڑک پیچھے جا رہی ہے۔ اگر سڑک دھکیل رہی ہے تو ہمیں چلتے ہوئے 20 منٹ گزر گئے ہیں، 20 منٹ کا وقت کیا ہے—؟

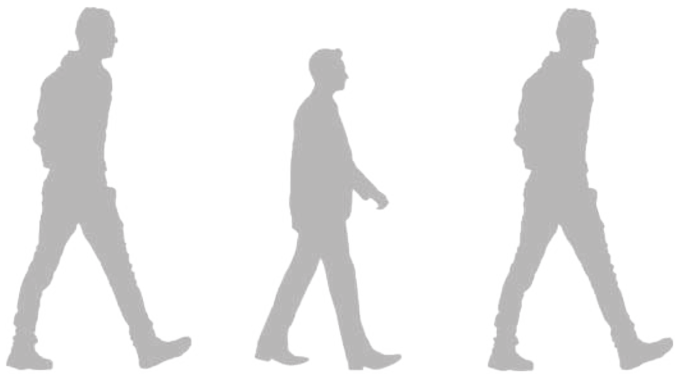

ہم مکانیت کے تابع ہیں اور مکانیت کا مطلب حرکت کا ظاہر ہونا ہے۔
چلنے کی رفتار ایک ہے مگر قدم چھوٹا بڑا ہونے سے سڑک کم یا زیادہ سمٹ رہی ہے۔

آدمی ایک گھنٹے میں تین میل چلتا ہے اور زمین کی طولانی گردش ایک گھنٹے میں تقریباً 66 ہزار میل ہے۔
مکانیت تبدیل نہیں ہوتی لیکن ہوتی ہے۔ اس کا تعلق نظامِ شمسی اور نظامِ قمری سے ہے۔

تیسرا مسافر گفتگو میں شریک ہوا۔ اس نے کہا، میں یہ سمجھا ہوں کہ ہمارا ایک قدم اٹھتا ہے تو دوسرا قدم سڑک پر ہوتا ہے، دوسرا قدم اٹھتا ہے تو تیسرا قدم سڑک پر ہوتا ہے۔ دو قدموں کے اٹھنے کے درمیان جو کچھ ہے، وہ مکانیت (اسپیس) ہے اور ان قدموں کے درمیان اگر سیکنڈ کا fraction بھی گزرا ہے تو وہ وقت (ٹائم) ہے۔

مسافر چلتے چلتے رک گئے اور سڑک کے کنارے گھنے درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر خاموشی کے بعد ایک مسافر نے متوجہ کیا، ہماری نشست قدرتی طور پر ایسی ہے کہ اسے مثلث کہہ سکتے ہیں۔ کیا مثلث بننا اتفاق ہے یا اس کے پیچھے کوئی حکمت ہے؟

کوتاہ قد مسافر نے حیرت سے کہا ...... اوپر دیکھو! درخت گول ہے۔ لگتا ہے کہ مثلث گول دائرے یا چھتری کے نیچے ہے لیکن عجیب بات ہے کہ چھتری زمین کے اوپر قائم ہے اور ہم تینوں بھی زمین پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب ہم چل رہے تھے تو زمین پیچھے ہٹ رہی تھی، اب بیٹھے ہیں، زمین اپنی جگہ پر قائم ہے جب کہ قائم نہیں ہے۔* کیا درخت کی گولائی (چھتری) اور ہمارا مثلث میں بیٹھنا کوئی ہم معنی بات ہے؟

تیسرے آدم یعنی انسان نے کہا، دوستو! درخت کی گولائی ایک تنے پر اور تنا زمین پر قائم ہے۔ زمین، تنا، پتّوں اور شاخوں سے بنی ہوئی گول چھتری میں کیا پیغام ہے؟

مسافر اس مسئلے کو سلجھانے میں اتنے منہمک ہوگئے کہ وقت کا احساس نہیں رہا۔ جب وقت جاننے کے لئے گھڑی میں دیکھا تو ایک گھنٹہ گزر چکا تھا۔

ایک مسافر بولا، جب چلتے ہوئے سڑک کافی پیچھے رہ گئی تو 20 منٹ کا وقت گزر چکا تھا۔ اب ہم بیٹھے باتیں کر رہے ہیں، چل نہیں رہے پھر ایک گھنٹے کا وقت کیسے گزر گیا ——؟ کیا وقت کا تعلق چلنے سے ہے یا وقت ہمارے چلے بغیر بھی گزرتا ہے ——؟

---

* قارئین! سڑک پر چل کر تجربہ کیجئے۔

تیسرے مسافر نے کہا، سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم چل رہے تھے جب بھی وقت گزرا اور بیٹھ گئے، تب بھی وقت گزر رہا ہے۔

یہ ایسا گمبھیر تجزیہ تھا کہ دونوں مسافر حیران رہ گئے۔

آدمی چلے یا بیٹھا رہے، مکانیت اور زمانیت کا عمل حرکت میں رہتا ہے۔

ایک نے کہا، مخلوق کی پیدائش بھی مکانیت میں ہوتی ہے۔ رحمِ مادر مکانیت ہی تو ہے۔ مکانیت میں پیدائش کی ابتدا ہوتی ہے تو وقت شروع ہو جاتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ مکانیت کے بغیر بچہ جوان اور جوان بوڑھا ہو جائے۔ مکانیت کا پھیلنا اور سمٹنا وقت ہے۔ آدمؑ و حوّاؑ سے جب جنت میں نافرمانی سرزد ہوئی تو انہوں نے خود کو بے لباس محسوس کیا۔ مطلب یہ ہوا کہ آدم کا سراپا مکانیت ہے اور لباس بھی مکانیت ہے۔ نافرمانی سے سراپے کی مکانیت (اسپیس) اور لباس تبدیل ہوگیا۔ وہ اعلیٰ سے ادنیٰ مکانیت میں آگئے۔

پہلے مسافر نے کہا...... جب بات آدمؑ اور حوّاؑ کی ہے تو زمانیت و مکانیت کا سراغ آسمانی کتابوں سے ملے گا اس لئے کہ آسمانی کتابوں نے ہی آدمؑ و حوّاؑ کا تعارف کرایا ہے۔

تیسرا مسافر آسمانوں کی وسعتوں میں گم ہو کر بولا، دن، روشنی اور یوم مکانیت ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) میرا ایک دن پچاس ہزار برس کا ہے۔ (۲) میرا ایک دن ایک ہزار سال کا ہے۔

یعنی دن کی طوالت یا دن چھوٹا بڑا ہونے کا تعلق اس کے پھیلنے یا سمٹنے سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو 30 راتوں کے لئے بلایا اور 40 راتوں تک کوہِ طور پر رکھا۔ یہاں صرف رات کی مکانیت کا ذکر ہے جب کہ حضرت موسیٰؑ 40 دن اور 40 رات کوہِ طور پر رہے یعنی وہ 40 رات اور 40 دن — رات کی مکانیت (اسپیس) میں رہے۔ رات میں وقت پھیل جاتا ہے، دن میں وقت سمٹ جاتا ہے۔ اس کی مثال خواب ہے۔

دوسرے مسافر نے کہا، بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ ہر شے اور احساس مکانیت ہے۔

(مثال) فضا میں بادل تیرتے ہیں اور بادلوں کے درمیان سے ہوائی جہاز گزرتا ہے۔ یہ سب اپنی جگہ الگ الگ مکانیت ہیں۔ ان کو دیکھنے کے لئے آنکھوں کی، ان کا نام لینے کے لئے بولنے کی اور ان کی آواز سننے لئے کانوں کی مکانیت (اسپیس) استعمال ہوتی ہے۔ اگر فضا میں پرواز کرتے ہوائی جہاز اور زمین پر کھڑے آدمی کا فاصلہ زیادہ ہو جائے تو ہوائی جہاز غیر واضح ہو کر نقطہ نظر آئے گا اور نقطہ نظر سے اوجھل ہو جائے گا۔ آدمی کو جس مکانیت میں دیکھنے اور سننے کی عادت ہے، ہوائی جہاز اور آواز اس مکانیت سے دور ہو گئے۔

پہلا مسافر بولا، یہ مثال زندگی کے تمام معمولات پر صادق آتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شے اور احساس ایک وجود ہے، ہر وجود میں ڈائی مینشن ہیں اور ہر ڈائی مینشن مکانیت پر قائم ہے۔ نام بھی مکانیت ہے اس لئے کہ نام مکانیت کی شناخت ہے۔ اگر مکانیت، جسم اور ڈائی مینشن نہیں ہوں گے تو نام نہیں رکھا جائے گا۔

تیسرے مسافر نے کہا، ہم تینوں کے نام ہیں۔ نام جس مکانیت کی نشاندہی کرتے ہیں، وہ سب اپنی جگہ سراپا ہیں۔ ہر سراپے میں سوچنے کے لئے دماغ، دیکھنے کے لئے آنکھیں، سننے کے لئے کان، محسوس کرنے کے لئے دل، چھونے کے لئے دورانِ خون کا عمل، سونگھنے کے لئے ناک، گرمی سردی محسوس کرنے کے لئے جسم میں مسامات ہیں۔ ہم اپنے قیام کے لئے زمین کے پابند ہیں، زمین مکانیت ہے اور مکانیت چھوٹی یا بڑی ہوتی رہتی ہے۔

محترم خواتین و حضرات — آپ نے اداریہ پڑھا۔ اس تحریر میں زمانیت اور مکانیت کا قانون بیان ہوا ہے۔ مضمون پڑھئے اور دماغ کے پٹ کھولئے تا کہ معلوم ہو کہ زمانیت اور مکانیت کا source کیا ہے۔

اللہ حافظ

خواجہ شمس الدین عظیمی

فقیر کی ڈاک

تفکر ـــــ ذہن کی دنیا میں داخل ہونے کا راستہ ہے۔ تفکر سے خیال کی گہرائیاں روشن ہوتی ہیں۔ گہرائی میں تخلیقی رموز کے خزینے ہیں جن تک رسائی ـــــ عرفانِ نفس اور معرفتِ الٰہی ہے۔ ''فقیر کی ڈاک'' اذہان کی آبیاری ہے جس میں مرشد کریم خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب شعور کے تانے بانے کو لاشعور سے جوڑ دیتے ہیں۔

محترم عظیمی صاحب ـــــ السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

بتایا جاتا ہے کہ ماورائی علوم سیکھنے کے لئے ترتیب دیئے گئے اسباق کا مقصد سالک کے خیالات میں پاکیزگی پیدا کرنا ہے۔ یعنی اصل علم سیکھنے کی ابتدا ابھی نہیں ہوئی بلکہ فرد علم سیکھنے کے لئے خود کو تیار کرنے کے مرحلے میں داخل ہوا ہے۔ کیا مخفی علوم حاصل ہونے کے بعد از خود یکسوئی اور مثبت طرز فکر طالب علم کو حاصل نہیں ہو جاتی ـــــ؟ پھر طوالت میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے ـــــ؟ ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ مخفی علوم علمِ سینہ ہیں اور سکھائے نہیں جاتے، منتقل کئے جاتے ہیں۔ شاعرِ مشرق حضرت علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے ـــــ نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔

شکریہ، ایک قاری

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ،

انسان ان حقائق کو سمجھنے اور پانے کی کوشش کرتا ہے جن کی کوئی بنیاد ہوتی ہے۔ ان میں زیادہ حقائق ایسے ہیں جو موجود ہونے کے باوجود ہمارے شعور میں نہیں آتے۔ شعور کے دائرۂ کار میں رہ کر ہم لاکھ کوشش کریں، ان کو اعصابی نظام اور گوشت پوست کے دماغ سے نہیں پہچان سکتے۔ جب ہم ان اٹل حقائق کی چھان بین کرتے ہیں تو اس ادراک کی بنیاد وہ علم نہیں ہوتا جس میں شعوری حواس

کا دخل ہوتا ہے۔ عقل ان گتھیوں کو سلجھانے سے قاصر نظر آتی ہے۔ عقل عملی تجربے کی بنیاد پر آگے بڑھتی ہے جب کہ غیب میں آباد دنیا کے رموز کا تعلق لاشعوری حواس سے ہے۔

جدید سائنس کی رُو سے آدمی متعدد عناصر سے مرکب ہے۔ آگ، پانی، ہوا، مٹی، ہائیڈروجن، ریڈیم، کاربن، نائٹروجن غرضیکہ جتنے عناصر مل کر کسی matter کی تشکیل و تخلیق کرتے ہیں، وہ سب آدمی کے اجزائے ترکیبی میں بھی شامل ہیں۔

جب ہم مادی اعتبار سے آدمی، حیوانات، چرند، پرند اور درندے، ذی روح اور غیر ذی روح سمجھی جانے والی مخلوقات کا تجزیہ کرتے ہیں تو سب ایک خالق کی تخلیق نظر آتی ہیں۔ آدم جہاں افضل ہو کر انسان بنتا ہے اور اس میں جو چیز تمام مخلوق سے افضل و اعلیٰ ہے، وہ ارادے میں یکسوئی ہے۔ انسان ارادے میں یکسوئی سے نہ صرف یہ کہ عرفان حاصل کرلیتا ہے بلکہ ہر وہ کام کرتا ہے جو کائنات میں دوسری مخلوق نہیں کرسکتی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

"ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر تخلیق کیا ہے۔ پس وہ
اسفل سافلین میں پڑا ہوا ہے۔" (التین: ۴۔۵)

زمین پر سے خس و خاشاک دور کر کے کوئی پودا لگایا جائے تو وہ جلد نشو و نما پاتا ہے اور جوان ہو کر اچھا پھل دیتا ہے۔ اسی طرح جب ذہن کو پوری طرح صاف کر کے کسی نئے علم کا پودا اس میں لگایا جائے تو اس پر بہت جلد پھل لگتا ہے۔ جیسے آپ جسم کا فاسد مادہ خارج کرتے ہیں یا وہ قدرتی نظام کے تحت خارج ہو جاتا ہے، اسی طرح ہیجان، جذبات اور خیالات کی کثافت کا خارج ہونا بھی ضروری ہے۔ جب تک دماغ جذبات و ہیجان کی کثافت سے صاف نہیں ہوتا، آدمی روحانی ترقی نہیں کرسکتا۔ اس صفائی کو حاصل کرنے کے لئے براہِ راست مخفی علوم منتقل کرنے سے پہلے ذہنی یکسوئی حاصل کرنے کے اسباق تجویز کئے جاتے ہیں۔

نظریۂ رنگ و نور کی رُو سے ماورائی طاقت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دماغ کی کارکردگی اور دماغ کو کمپیوٹر سمجھ لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ جب ہم عملاً مادی نظام سے الگ ہو کر دماغ کی طرف

متوجہ نہیں ہوں گے، دماغ کی کارکردگی اور دماغ میں موجود مخفی صلاحیتیں سامنے نہیں آئیں گی۔

مخفی اور لامحدود صلاحیتوں سے آشنا ہونے کے لئے یہ امر لازم ہے کہ ہم اس بات سے واقف ہوں کہ مفروضہ حواس کی گرفت سے آزاد ہونا کس طرح ممکن ہے۔

جہاں تک طویل انتظار کا تعلق ہے — کائنات کے تخلیقی فارمولوں پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ گزرنے والا لمحہ، آنے والے لمحات کے انتظار کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ انتظار بجائے خود زندگی ہے۔ اگر آج بیدار ہونے والے بچے کی زندگی میں آنے والے 60 سالوں پر محیط بڑھاپا چھپا ہوا اور چھپا ہوا نہ ہو تو پیدا ہونے والا بچہ پنگوڑے سے باہر نہیں آئے گا — نشوونما رک جائے گی — کائنات ٹھہر جائے گی — چاند سورج اپنی روشنی سے محروم ہو جائیں گے۔

جب ہم زمین میں کوئی بیج ڈالتے ہیں تو یہ دراصل اس انتظار کے عمل کی شروعات ہے کہ یہ بیج پھول بن کر کھلے گا۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے صحیح فرمایا ہے۔ منشا یہ ہے کہ جب کوئی بندہ کسی خدا رسیدہ بزرگ کے زیر سایہ آجاتا ہے تو اس کے شب و روز اس بزرگ کے مطابق گزرنے لگتے ہیں۔

یہی تقدیر کا بدلنا ہے۔

دعاگو، عظیمی

معرفتِ شے

روحانیت میں کسی چیز کی وجہ تلاش کرنا ضروری ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی ادنیٰ درجے کی چیز ہو۔ ہم جب کسی شے کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ ہم اس کی صفات ٹھیک طرح سمجھ لیتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اس طرح کہیں گے کہ شاہد جس چیز کو دیکھتا ہے، اس شے کی معرفت نگاہ میں منتقل ہو جاتی ہے۔ گویا دیکھنے والا خود دیکھی ہوئی چیز بن کر اس کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ جب تک ہم گلاب کے پھول کی صفات میں منتقل نہ ہوں، گلاب کو نہیں دیکھ سکتے۔ گلاب کی خصوصیات میں منتقل ہو کر ہی ہمیں گلاب کے پھول کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

نامے میرے نام

اباجی محترم خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی جانب سے گزشتہ ماہ امتحان میں پوزیشن حاصل کرنے اور امتحان میں حصہ لینے والے تمام طالبات و طلبہ کو بہت مبارک باد۔ اباجی آپ سب سے بہت خوش ہیں اور اللہ کے حضور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ (ادارہ)

"ماہنامہ قلندر شعور" نے قارئین خواتین و حضرات کو رسالے کے پلیٹ فارم سے تفکر کی دعوت دی ہے۔ رابطے کے قدیم و جدید وسائل کے ذریعے موصول ہونے والے خطوط شائع کئے جارہے ہیں۔ ادارہ "ماہنامہ قلندر شعور" کا قارئین کے تفکر سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

جون 2023ء کے "آج کی بات" پر موصول تفکر نامے میں سے منتخب خطوط:

◈ افشاں دلشاد (کینیڈا): کلاس میں 30 بچے ہیں، مس سب کو ایک سبق دیتی ہیں۔ کوئی مفہوم سے فوراً واقف ہوجاتا ہے اور کوئی دیر سے، کوئی سبق ذہن نشین کرلیتا ہے اور کوئی سرسری طور پر پڑھتا ہے۔ سبق ایک ہے مگر سننے اور قبول کرنے والوں میں کسی کی صلاحیت کم اور کسی کی زیادہ بیدار ہے۔ یہی مثال پانی کی ہے۔ کائنات میں ہر مخلوق پانی سے سیراب ہوتی ہے لیکن receiver یا ڈائی میں فرق کی وجہ سے ان کے نتائج اور ذائقے مختلف ہیں۔

◈ راجا عابد (کراچی): اللہ نے پانی کو حیات کی بنیاد بنایا ہے۔ پانی کی فطرت حرکت ہے اور حرکت گھٹنے بڑھنے کی علامت ہے۔ پانی رکتا ہے تو زندگی موت کی چادر اوڑھ لیتی ہے۔ پانی بیج میں داخل ہوتا ہے تو بیج میں مائیکرو فلم متحرک ہوجاتی ہے جس کا مظاہرہ ہم قسم قسم کی تخلیقات کے روپ میں دیکھتے ہیں۔ بیج کا تعلق اجتماعی شعور سے ہے ــــ بیج میں تخلیقی پروگرام ہے۔

◈ سدرہ نوید (اسلام آباد): اللہ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے جس سے زمین پر روئید گی پیدا ہوتی ہے۔ روئید گی پانی میں موجود اطلاعات کا مظاہرہ ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ زمین پر وہی کچھ ظاہر ہوتا ہے جو بارش کے ذریعے آسمان سے آیا ہے یعنی زمین میں شعور جو کچھ دیکھتا ہے، وہ روپ بہروپ ہے۔

◈ نصیر مختار (گوجرانوالہ): اطلاع کو نظر انداز کر کے اور اس میں اپنے معانی پہنا کر ہم لاشعور سے دور ہو جاتے ہیں۔ ایسے میں جو شعور ہمیں حاصل ہوتا ہے، وہ فکشن یعنی نافرمانی کا شعور ہے۔

◈ جویریہ صدیق (کراچی): زمین ماں کی طرح مکمل ایثار ہے اور مخلوق کی خدمت کے لئے ہمہ وقت قانون کی پابندی کے ساتھ مصروفِ عمل ہے۔

◈ ماریہ طارق (پشاور): ''آج کی بات'' میں لکھا ہے کہ جب تک بیج سے ظاہر ہونے والا فرد زمین پر موجود ہے، زمین اس سے رشتہ برقرار رکھتی ہے۔ سمجھ میں یہ آیا کہ زمین بساط ہے اور ہم gravity یا density کی وجہ سے زمین پر نظر آتے ہیں ورنہ زمین سے ہمارا وجود مٹ جائے گا۔

◈ حسنین علی (دبئی): انفرادی شعور فرد کو ایک مقام تک محدود کر دیتا ہے۔ اجتماعی شعور حاصل ہو جائے تو فرد کی سوچ ہر اس تخلیق کے شعور کے ساتھ سفر کرتی ہے جو کائنات میں موجود ہے۔ پھر ہوتا یہ ہے کہ فرد جس جگہ جانا چاہے، پہنچ جاتا ہے اور جس چیز کو حاضر کرنا چاہے، حاضر کر سکتا ہے۔ خواب کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

◈ ثمینہ حاشر (لاہور): کتنی خوب صورت بات ہے کہ زمین کا شعور، ماں کا شعور ہے۔ جس طرح ہر بچہ ماں کا عکس ہے، اسی طرح زمین سے اگنے والی ہر شے زمین کا روپ ہے۔ زمینی شعور اس قدر وسیع ہے کہ اس وقت اس کے سات ارب (انسانی آبادی) سے زیادہ زاویے ہمارے سامنے ہیں۔ زمین پر آباد دیگر مخلوقات اس کے علاوہ ہیں۔

◈ ربیعہ جاوید (فیصل آباد): اجتماعی شعور کا آسان فارمولا لکھا گیا ہے کہ بندہ ہر حال اور ہر قال میں اللہ کو یاد رکھے۔ ایسے فرد کے اندر اُس فریکوئنسی کی لہریں دَور کرتی ہیں جس فریکوئنسی پر اللہ نے مخلوقات کے درمیان ربط اور رشتہ قائم رکھا ہے۔

مئی اور جون 2023ء کے مضامین پر قارئین کی آراء اور تبصرے:

$$0 = 0$$
$$16 - 16 = 20 - 20$$
$$(4 \times 4) - (4 \times 4) = (4 \times 5) - (4 \times 5)$$
$$4(\cancel{4-4}) = 5(\cancel{4-4})$$
$$4 = 5$$

Prove $\frac{0}{0} = 2$

$$\frac{0}{0} = \frac{100-100}{100-100} = \frac{10^2-10^2}{10^2-10^2} = \frac{(10+10)(\cancel{10-10})}{10(\cancel{10-10})} = \frac{20}{10} = 2$$

◈ ڈاکٹر نعیم ظفر (ابوظہبی) : مئی 2023ء میں مضمون ١+١ = ؟ شائع ہوا جس کو مزید سمجھنے کے لئے تصویر میں دی گئی equations مفید ہوسکتی ہیں۔ نمبرز کے مفہوم اور افعال محض ایک نقطۂ نظر کی عکاسی کررہے ہیں، چاہے وہ قابلِ قبول ہوں یا نہ ہوں البتہ یہ مثالیں genuine ہیں۔ الجبرا سے واقف افراد اس پر غور کریں۔ یقیناً ریاضی میں الوژن کی ہزاروں خامیاں نظر آتی ہیں جو ہم نسلوں کو منتقل کررہے ہیں۔

◈ ندا حامد (عجمان): ماں نے بچے کو سبق یاد کرنے کو کہا پھر ایک مرتبہ دہرانے کا کہہ کر پوچھا کہ سبق کتنی مرتبہ دہرایا۔ بچہ بولا، ایک سے زائد مرتبہ۔ جواب درست ہے کیوں کہ یاد کرنا دہرانا ہے اور ایک کے بعد جو کچھ ہوگا، وہ دہرانے میں شمار ہوگا۔

◈ سلمان دانش (حیدرآباد): مئی 2023ء کے شمارے میں مضمون ”پی ہو پی ہو“ پڑھا۔ ان لفظوں میں عشقِ مجازی اور عشقِ حقیقی دونوں ہیں۔ یہ الفاظ زبان پر رہ گئے ہیں۔ ہر شمارے میں ایسے مضامین ہوتے ہیں جو یاد رہ جاتے ہیں۔ مضمون ١+١ = ؟ پڑھا تو پوری ریاضی سوالیہ نشان بن گئی۔ اس میں جگہ جگہ الوژن اور خلا ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی کہ ١+١ =؟ کا جواب ایک ہوگا یا صفر۔

◈ ملک محمد ناصر (سیالکوٹ) : مئی 2023ء کے شمارے میں عائشہ خان صاحبہ کی پُرمغز تحریر پڑھنے کو ملی، آئندہ بھی لکھنے کا سلسلہ جاری رکھیں۔ پرانے لکھنے والوں کے حوالے سے عرض یہ ہے کہ ہمارے پسندیدہ لکھاری سید اسد علی صاحب اور ہماری بہن سارہ خان صاحبہ کی تحریریں اب رسالے میں نظر نہیں آتیں۔ اللہ انہیں خوش اور آباد رکھے، آمین۔

- سارہ خان صاحبہ بچوں کا رسالہ ترتیب دیتی ہیں۔ (ادارہ)

⊙ نادیہ فراز (کراچی): جون 2023ء میں ”کہتی ہے یہ مٹی بھی بہت سی باتیں“ میں پوچھے گئے سوال کا جواب یہ ہے کہ جب فرد دنیا کی اسپیس میں داخل ہوتا ہے تو یہاں کی مٹی اختیار کرتا ہے اور جب جانے کا وقت آتا ہے تو مٹی یہیں رہ جاتی ہے یعنی مٹی میں کمی بیشی نہیں ہوتی ۔ خالدہ زبیر صاحبہ کا مضمون پڑھ کر اسکول وکالج کا زمانہ یاد آ گیا۔ میں نے کئی سال دوڑ کے مقابلوں میں حصہ لیا ہے۔ کھیل کے میدان میں ایک مرتبہ کلاک وائز سمت میں دوڑی تو سانس بے ہنگم ہوگیا جیسے کوئی شے روک رہی ہو۔ کوچ نے بتایا کہ ہمیشہ اینٹی کلاک وائز رخ پر دوڑتے ہیں۔ اس رخ میں دوڑنے پر محسوس ہوتا تھا کہ میں نہیں دوڑ رہی، زمین مجھے چلا رہی ہے، قدم خود بخود اٹھتے تھے۔

⊙ ماہین اویس (دوحہ): لکھنؤ کا دسترخوان خواتین کے لئے اچھا اضافہ ہے اور مصنف کا طرز تحریر بیانیہ ہے۔ تحریر پڑھ کر ذہن میں فلم چلنے لگتی ہے۔ منظرکشی پڑھ کر میں سوچ رہی تھی کہ جس طرح کی تحقیق مغرب نے نظامِ کائنات پر کی ہے، وہ مغل بادشاہوں اور نوابوں نے کھانے پینے پر کی ہے۔

⊙ عالیہ گل ریز (کوہاٹ): فرزانہ پرویز صاحبہ نے ساس بہو کے حوالے سے معاشرے کی اچھی منظر کشی کی۔ گھر وہی آباد ہوتے ہیں جہاں برداشت ہو اور معاف کرنے کا ظرف ہو۔ جب بزرگ بچوں کو معاف کرتے ہیں اور بچے ان کا احترام کرتے ہیں تو دونوں دوست بن جاتے ہیں۔

⊙ خالد عمران (جہلم): ویت نام کے دانشور تیک نات ھان کی تحریر متاثر کن تھی۔ غیر ملکی زبانوں میں لکھی گئی کہانیوں اور مضامین کا ترجمہ شائع کیا جانا چاہیئے۔ آسیہ روبی کی تحریریں آئینہ ہیں جن میں افرادِ معاشرہ کی تصویر ہوتی ہے۔ کم ظرف آدمی کے پاس اختیار آجائے تو اس کے برتن (ظرف) میں چیزیں شور کرتی ہیں۔ ظرف دار آدمی کے برتن سے آواز نہیں آتی۔

⊙ عمر پلیجو (ٹھٹھہ): پیراسائیکالوجی اور مسائل کا کالم میں شوق سے پڑھتا تھا، وہ کیوں ختم کر دیا گیا؟

★ — ★ — ★

آپ کا ہر دلعزیز رسالہ ”ماہنامہ قلندر شعور“ آن لائن مطالعے کے لئے دستیاب ہے۔ ”ماہنامہ قلندر شعور“ کے ڈیجیٹل ایڈیشن کی سبسکرپشن کے لئے ویب سائٹ پر موجود فارم پُر کیجئے۔ ہمارا ویب ایڈریس یہ ہے،

https://qalandarshaoormonthly.online/

زیر سرپرستی

اللہ کے دوست حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی

عظیمیہ روحانی لائبریری

برائے خواتین

روحانی علوم کے متلاشی خواتین و حضرات، راہِ سلوک کے مسافر اور ــــ روحانی سائنس میں دلچسپی رکھنے والے طالبات وطلبہ کے لئے عظیمی صاحب کی کُتب اور تصوف کی دیگر کتابیں مطالعہ کے لئے موجود ہیں۔

فری ممبرشِپ
فری مطالعہ

مکان نمبر 65 بلاک A-2، پنجاب ہاؤسنگ سوسائٹی

نزد جوہر ٹاؤن، لاہور۔ فون نمبر: 042-35185142

نانا تاج الدین ناگپوریؒ

ہر ذی ہوش تفکر ہے

سنجیدہ محققین کا کہنا ہے کہ جب ہم سب کا مقصد کائناتی نظام کا وقوف ہے اور مشاہدہ کرنے والے حواس ایک ہیں پھر نظریات میں یکسانیت یا اکائیت کیوں نہیں—؟

شہنشاہِ ہفت اقلیم بابا تاج الدین ناگپوریؒ کی منقبت میں ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

گل زارِ نیازِ خدا تم ہو

خوشبوئے حسنؓ، خوشبوئے علیؓ

حضور قلندر بابا اولیاؒ نے اپنے نانا ؒ کے شب و روز، ذہنی میلان اور ذوقِ فکر کا بنفسِ نفیس گہرا مطالعہ کیا اور خفی و جلی مشاہدات کو منقبت میں پرو دیا۔ منقبت کی روشنی میں نانا تاج الدینؒ کی فکر کے مختلف زاویوں کو تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو لاشعور سے شعور کو فیضان پہنچانے کے میکانزم کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جیسے،

۱۔ تخلیقات سے تبادلۂ خیالات و تجربات۔

۲۔ قوانینِ قدرت کا اطلاق۔

۳۔ ظاہر و باطن میں مشاہدات کا عمل۔

۴۔ تمام تر تخلیقات میں حسیات کا عمل۔

۵۔ ظاہری حواس کا گونگا پن۔

۶۔ کائناتی تفکر سے تعلق جوڑنے کا زاویہ۔

۷۔ کڑی در کڑی منسلک کائناتی ایکوسسٹم۔

۸۔ کائناتی نشریاتی نظام سے اطلاعات اخذ کرنے کے قوانین اور زمانی مکانی فاصلوں میں ردّوبدل۔

—•◎•—

محققین کائنات میں نادیدہ فعال قوتوں، ان سے ماخوذ مادہ و توانائی اور عناصر کے کردار کے تعین میں سرگرداں ہیں۔ ان کو ہم ثقلی، برقی، مقناطیسی، ایٹمی اور دیگر مخلوط قوتوں کے نام سے جانتے ہیں۔ آدمی غور و فکر کرتا ہے تو تفکر کی ایجنسی حرکت میں آتی ہے اور دماغ کے پردے پر شے میں مخفی قوتوں کے جال کا عکس بناتی ہے۔ تحقیقی پیمائشی آلات مادے سے بنے ہیں اس لئے وہ مذکورہ جال کی لطافت کو ریکارڈ نہیں کر پاتے۔

تفکر جب تجربہ بنا تو محققین پر راز روشن ہوا کہ کائناتی نظام میں توانائی کو کسی نہ کسی طرح منعکس کیا جاسکتا ہے۔ جیسے سورج کی کرنیں محدب عدسہ سے گزر کر روشن نقطہ بناتی ہیں، اسی طرح برقی قوت سے رات کا اندھیرا روشن کرکے ٹنوں وزنی سامان کو مقناطیسی کرین کی قوت سے بحری جہازوں پر لوڈ کیا جاتا ہے۔

محققین مظاہر کے پس پردہ قوتوں کے بارے میں مختلف نظریات رکھتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ہر گروہ کے زاویے سے دیکھا جائے تو وہ صحیح نظر آتا ہے تاہم سنجیدہ محققین کا کہنا ہے کہ جب ہم سب کا مقصد کائناتی نظام کا وقوف ہے اور مشاہدہ کرنے والے حواس ایک ہیں پھر نظریات میں یکسانیت یا اکائیت کیوں نہیں—؟ سائنسی زبان میں اس طرح کہیں گے کہ تفکر کا نتیجہ singularity کیوں نہیں—؟

حقیقت مطلق ہوتی ہے۔ ایسے میں ٹائم اسپیس میں ردّوبدل سے نظریات میں تبدیلی نہیں ہونی چاہیئے لیکن جدید ٹیکنالوجی کے باوجود نظریاتی تغیر میں اضافہ ہورہا ہے۔ غیر جانبدار محققین کہتے ہیں کہ تحقیق تعصب اور مفروضے سے بالا ہونی چاہیئے ورنہ نظریات بدلتے رہیں گے۔

الہامی کتب وصحائف میں تحقیق کا وہ زاویہ ملتا ہے جس کا <u>سورس آف انفارمیشن</u> ایک ہے۔ تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے اسی کا پرچار کیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے،

"اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ کی ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کے آنے جانے میں اولی الالباب کے لئے نشانیاں ہیں۔" (اٰلِ عمرٰن: ۱۸۹۔۱۹۰)

—•◎•—

ہر سال نئے دماغ اسکول میں داخل ہوتے ہیں اور قدیم اسباق پر مشتمل یادداشت کی پوٹلی لئے آگے بڑھتے ہیں۔ 'ا' پتہ نہیں کب سے الف ہے۔ A کب سے اے ہوا۔ بڑھنا، گھٹنا کب سے '+' اور '-' ہوا۔ نہیں معلوم!

مس نے پوچھا، اے، بی، سی آتی ہے؟

بچوں نے کہا، جی مس! آتی ہے۔

مس نے ایک بچے سے کہا، سناؤ۔

بچے نے پوچھا، چھوٹی والی یا بڑی والی؟

مس نے چونکتے ہوئے کہا، بڑی والی۔ بچے نے لہک لہک کر پڑھا، بڑی اے، بڑی بی، بڑی سی۔ مس نے بتایا کہ میں سوچتی رہ گئی کہ بچوں کے

نوخیز ذہن میں کیا شبیہیں بن رہی ہوں گی۔

جب لفظ ’آگ‘ کہا جاتا ہے تو دماغ میں آگ کے اوصاف کے نقوش ابھرتے ہیں۔ اگر آپ جرمن زبان سے ناواقف ہیں تو feur کہنے سے آگ کی تصویر نہیں بنے گی۔ محققین کسی نہ کسی طرح جانتے ہیں کہ جب علمِ شے کی تفہیم کا احساس دماغ کی اسکرین پر تواتر سے بنتا رہے تو اس کی جزئیات سامنے آتی ہیں۔

—•◎•—

تفکر غیر جانبدار محقق کا لائف اسٹائل ہے۔ عام آدمی تفکر کی پہلی اسٹیج سے آشنا ہے جس میں اطلاعات کا ماخذ خارجی عوامل ہیں جیسے ماں باپ، اسلاف، معاشرہ۔ سمجھنے کے لئے پہلی اسٹیج کو C4 کا نام دیتے ہیں۔شکل (ا) میں نقاط دراصل اطلاعات ہیں جب کہ ان کے مابین خلا کا تعلق اطلاعات میں کاملیت سے ہے۔ جتنا خلا کم ہو گا، اطلاعات اتنی مکمل (نقص سے مبرّا) ہوں گی۔ کلیہ یہ بنا کہ کوئی حس جتنی توجہ سے ’شے‘ کے اندر میں دیکھتی ہے، اسی قدر ’اطلاعات‘ شعور کی گہرائیوں سے دماغ کی اسکرین پر تصویر بناتی ہیں۔ سطحی سوچ C4 سے حاصل اطلاعات میں خلا یعنی نقائص ہوتے ہیں۔ خلا بھرنے کے لئے باطنی علوم کے ماہرین مومن کی فراست حاصل کرنے کی ہدایت فرماتے ہیں۔ مشق اور ذوق سے شعور C4 کی اسٹیج سے نکل کر درجہ بدرجہ اطلاعات کے اعلیٰ ترین درجے C1 کا رخ کرتا ہے۔ غور کریں تو شکل کے مختلف حصوں میں نقطوں کا خلا کم ہوتا دکھائی دے گا۔

—•◎•—

اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ اصحاب بتاتے ہیں کہ کائنات ایڈمنسٹریشن کے لحاظ سے سات زون میں تقسیم ہے۔ ہر زون میں مختلف طرزِ معاشرت کی مخلوقات ہیں۔ بابا تاج الدین اولیاؒ ساتوں زون کے بادشاہ (شہنشاہِ ہفت اقلیم) ہیں اور ان میں آباد مخلوقات کے تاج الملّت والدّین یعنی Crown of Cosmic Inhabitants ہیں۔

نانا تاج الدینؒ کے ذوقِ طبیعت کا میلان ایسے امور سے تھا جو نظامِ قدرت کی رازداری ہے۔ وہ عام گفتگو میں ایسے کلمات ادا کر جاتے تھے جن کا تعلق تخلیقی فارمولوں سے ہے۔ وہ اشاروں میں ایسی بات کہہ جاتے جس میں کرامتوں کی علمی توجیہہ ہوتی اور سامعین کے دماغ کی اسکرین پر ان اصولوں کا نقشہ یا flow chart آجاتا۔

آج محقق خیال (آئیڈیا) کی اہمیت سے بخوبی

واقف ہے۔ وہ یہ بھی مانتا ہے کہ دماغ ذہانت، دانش اور خیال کے تمام ٹکڑوں کو ترتیب دے کر پراڈکٹ یا ایجاد کا روپ دیتا ہے۔ ماہرین نے اس نظام کو تلاش کرنے کے لئے دماغ کو کھنگال ڈالا مگر خیال و یادداشت کا سراغ نہ مل سکا۔

شکل نمبر ا میں تفکر کی شعوری تقسیم اور کاملیت یا density of information دکھائی گئی ہے۔ نانا تاج الدینؒ کے فرمودات کی روشنی میں محققین کی طرزِ تحقیق میں گم شدہ کڑی کا سراغ لگائیں تو عقدہ کھلتا ہے کہ تمام مادی حسیات جیسے آنکھ، کان، دوربین یا خوردبین کے عدسہ و آئینہ وغیرہ اندھے، بہرے اور گونگے ہیولے ہیں، تفکر ہی حواس کو سماعت اور بصارت دیتا ہے اور اسی کے ذریعے تجربات عمل میں آتے ہیں۔ آدمی، چاند، ستارے، فرشتے، جنات اور دیدہ نادیدہ مخلوقات محض تفکر ہیں۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ حواس تفکر سے الگ ہیں حالاں کہ تفکر سے الگ ان کا وجود نہیں۔ ستم یہ ہے کہ آدمی نے اپنی فکری وسعت کو نہیں پہچانا اور فہم کو دوربین کے عدسہ و آئینہ کے محدود تفکر کا پابند کر دیا۔

نانا تاج الدین ناگپوریؒ کی تعلیمات کائنات کے جلی و خفی حقائق سے پردہ اٹھاتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ قدرت نے تفکر کو لاشمار کیفیات اور سراپے میں بُنی ہوئی ذہین ایجنسی بنایا ہے اور یہ کہ بصارت، سماعت، تکلّم، ایثار، رفتار، ذوق، توجہ، استغراق ــــ ہر کیفیت سراپا رکھتی ہے۔

شکر درہ میں نانا تاج الدینؒ اکثر ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہوتے۔ حیات خاں چائے یا کھانا پیش کرتا لیکن ۔۔۔! پھر وہ مریم بیؒ کے پاس جاتا اور افسردہ لہجے میں بتاتا کہ باباصاحبؒ نے صبح سے چائے نہیں پی، معلوم نہیں آج وہ کھانا بھی کھائیں گے یا نہیں۔ مریم بیؒ فرماتیں کہ یہ استغراق ہے، کمبخت ان کے پیچھے پڑ گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ استغراق ذہین مخلوق ہے جو شکل و سراپا رکھتا ہے اور اپنی قربت کے خمار سے واقف ہے۔

کوانٹم فزکس کے ماہرین تسلیم کرتے ہیں کہ کائنات کسی مخفی حرکت کا نتیجہ ہے۔ دوسری طرف روشن حال خواتین و حضرات کی تعلیمات کے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ آدمی کائنات کے مخفی رخ سے وسیع تعلق نہ رکھ سکا۔ اس کے تفکر کا مرکز رائج شعور یعنی C4

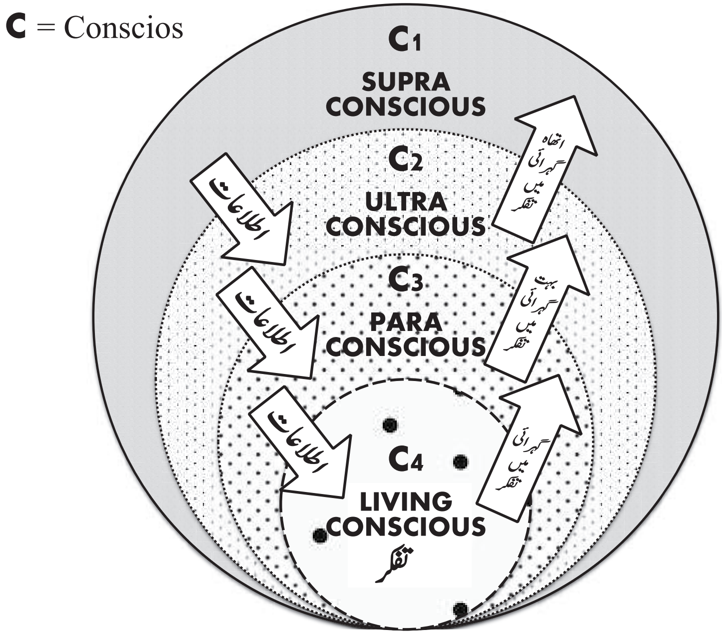

شکل نمبر ۱

اطلاعات کو نقاط کی شکل میں دکھایا گیا ہے۔ نقاط کے مابین فاصلہ اطلاعات کے درمیان خلا کو ظاہر کرتا ہے۔

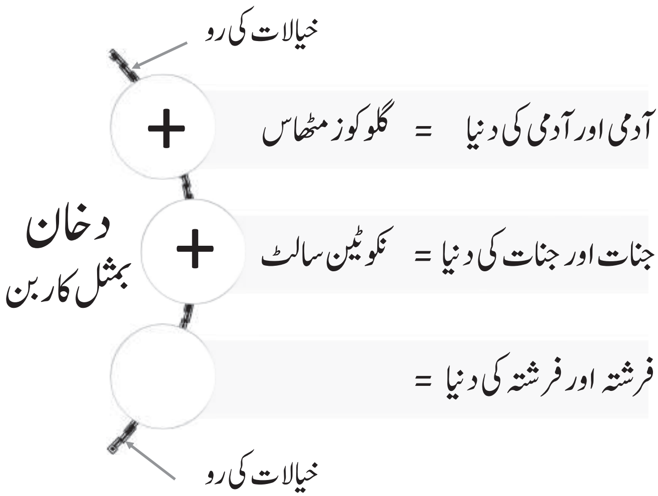

شکل نمبر ۲

ہے۔ مٹی سے چپک کی وجہ سے وہ جان نہ سکا کہ اُس کے اپنے خصائل اور مٹی کی چپک میں کیا راز ہے اور وہ اِس سے کیسے نکل سکتا ہے؟

آدمی جنت سے نکل کر اس دنیا میں آ بسا جہاں زمانی مکانی فاصلے ہیں۔ اسے اصل کائنات کی خبر نہیں کیوں کہ جنت اور اس دنیا کے درمیان بھی زمانی مکانی فاصلہ ہے۔ یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ قدرت نے فاصلوں، خلا میں رابطوں یا تفکر کے تاروں کو کیسے جوڑا ہے؟

نانا تاج الدینؒ فرماتے ہیں کہ کائنات کے خالی گوشوں کو پُر کرنے کے لئے جنات اور فرشتوں کی تخلیق عمل میں آئی۔ خالی گوشوں میں چھوٹی بڑی لہریں موجود ہیں۔ لہروں کا چھوٹا بڑا ہونا تغیر کہلاتا ہے۔ زمان اور مکان اسی تغیر کی صورتیں ہیں۔ 'تفکر کے خلا' کو جن مخلوقات سے پُر کیا گیا، ان کی ساخت میں کارفرما عناصر آدمی میں بھی ہیں۔ گلوکوز (مٹھاس) اور سالٹ (نکوٹین) دونوں کی بنیاد کاربن ہے۔ آدمی کی دنیا کی ہر شے میں گلوکوز غالب ہے جب کہ نکوٹین کے اوصاف میں منفی چارج بردار سالٹ کا غلبہ ہے۔

الہامی علوم کے مطابق کائنات کی ساخت میں دخان کا کردار ہے۔ دخان تمام مظاہر کی اصل ہے اور یہ زمان و مکاں کے مخلوط کا نتیجہ ہے۔

انسان مثبت اور جنات منفی دخان کی پیداوار ہیں۔ <u>شکل نمبر ۲ دیکھئے</u>۔ مثبت دخان کی ایک کیفیت کا نام مٹھاس ہے۔ اس کیفیت کی کثیر مقدار انسانی خون میں گردش کرتی ہے۔ دخان کی منفی کیفیت نمکین ہے۔ اس کیفیت کی کثیر مقدار جنات میں پائی جاتی ہے۔ ان ہی دونوں کیفیات سے فرشتے بنتے ہیں۔

<u>خلاصہ</u>: کائنات تفکر کے تبادلۂ خیال کا ایک خاندان ہے۔ تفکر کے ذریعے ارض و سماوات کی تمام مخلوقات کا آپس میں تبادلۂ خیال ہوتا رہتا ہے۔ ان کے تفکر کی لہریں ہمیں بہت کچھ دیتی ہیں اور ہم سے بہت کچھ لیتی ہیں۔ ہمارا تفکر ہر قسم کے ہیولے سے واقف ہے۔ ساتھ ہی ہمارا تفکر نور اور نور کی ہر قسم سے بھی فکری طور پر روشناس ہے حالاں کہ ہمارے اپنے تفکر کے تجربات میں مٹی کی پابندی بھی ہے۔ ان تفکر کی نشریات سے ہمارے اندر ہیولا (جنات) اور نور (فرشتے) کے تجربات بنتے ہیں۔

(تحریر: ڈاکٹر نعیم ظفر)

گلِ نسرین

ہم اپنے نام کے ساتھ رہتے ہیں

بابا تاج الدین ناگپوریؒ سے ایک عقیدت مند نے دریافت کیا، آپ سو پچاس میل دور تو دیکھ لیتے ہوں گے؟ فرمایا، جدھر دیکھتا ہوں، لاکھوں کوس دیکھتا ہوں۔

شہنشاہ ہفت اقلیم بابا تاج الدین ناگپوریؒ کا شمار ان برگزیدہ بندوں میں ہوتا ہے جو اللہ کے حکم سے نظامِ کائنات میں کارفرما مشیت کو دیکھتے اور سمجھتے ہیں۔ ان قدسی نفس بندوں کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے،

''اس نے زمین اورآسمانوں کی ساری چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا سب کچھ اپنے پاس سے۔'' (الجاثیہ : ۱۳)

بابا تاج الدینؒ پانچ رجب المرجب 1277ھ بمطابق 27 جنوری 1861ء کو پیر کے دن فجر کے وقت کامٹی، ناگپور میں حضرت حسن مہدی بدرالدینؒ کے گھر پیدا ہوئے۔ پیدائش سے پہلے والدہ مریم بی صاحبہ نے خواب دیکھا،

''آسمان پر چاند آب و تاب سے چمک رہا ہے اور فضا میں ہر طرف چاندنی ہے۔ یکایک چاند آسمان سے ان کی گود میں آ گیا اور کائنات اس کی روشنی سے منور ہو گئی۔''

بابا تاج الدینؒ کی عمر ایک برس ہوئی تو والد کا انتقال ہو گیا، آٹھ سال بعد والدہ بھی اس دنیا سے پردہ فرما گئیں۔ نانی نے پرورش کی۔ انہیں علم ہو گیا کہ نواسہ بہت خاص ہے۔

ایک صبح نانی نے ناشتہ دیا تو ہاتھوں میں موجود پتھروں کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا، نانی! میں تو یہ لڈو پیڑے کھاتا ہوں۔ اور پتھروں کو مٹھائی کی طرح کھانے لگے۔ نانی سمجھ گئیں۔

یہ واقعہ مٹی کے علوم اور اس میں نہاں تخلیقی قوانین کی طرف توجہ مبذول کرتا ہے۔ انہوں نے پتھر نہیں کھائے بلکہ ان کے ذہن کی حرکت سے مٹی میں وہ مقداریں یکجا ہو گئیں جن سے لڈو پیڑے بنتے ہیں۔

باباتاج الدینؒ کی نسبت سے متعلق آپ کے نواسے ابدالِ حق قلندر باباؒ فرماتے ہیں،

"باباتاج الدینؒ کو حضرت عبداللہ شاہؒ کی قربت حاصل ہوئی تھی اور نسبت چشتیہ بابا داؤد مکیؒ کے مزار پر منتقل ہوئی تھی۔ نیز بابا صاحبؒ کو ہر سلسلے کے اکابر اولیاء اللہ کی ارواح سے فیض حاصل ہوا۔ بابا صاحبؒ کی تعلیم و تربیت خود جناب خاتم النبیین سرور کائناتؐ نے کی ہے۔"

باباتاج الدین ناگپوریؒ کے کئی ارشادات میں اویسیہ فیضان کی طرف اشارہ ہے۔ ولایت کے رنگ و نسبت کو اکثر یہ کہہ کر ظاہر کرتے تھے،

"ہمارا نام تاج محی الدین، تاج معین الدین ہے۔"

کبھی یہ بھی فرماتے،

"ہمارا نام تاج الاولیا، تاج الملّت والدّین، شہنشاہ ہفت اقلیم، سید محمد تاج الدین ہے۔"

کرامات عام ہونے لگیں تو لوگوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا اور اتنا بڑھا کہ رات دن کا فرق نہ رہا۔ایک روز فرمایا، لوگ ہمیں بہت ستاتے ہیں،اب ہم پاگل جھونپڑی چلے جائیں گے۔

ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ پاگل خانے میں داخل کر دیا گیا۔ چوں کہ کرامات بطور عادت صادر ہوتی تھیں، یہاں بھی لوگوں کا تانتا بندھ گیا جن میں امیر غریب اور ہر مذہب کے ماننے والے شامل تھے۔ پاگل خانے کے منتظمین اور ڈاکٹر ان کا بہت خیال رکھتے تھے۔

اس زمانے میں شکر درہ، واکی اور ناگپور کے کئی علاقے راجا رگھو راؤ کی ملکیت تھے۔ راجا کی بہو کے ہاں جب ولادت کا وقت آیا تو پتہ چلا کہ ماں اور بچے کو خطرہ ہے۔ ڈرائیور راجا کو پاگل خانے لے کر گیا۔ باباتاج الدینؒ کو بتایا گیا کہ راجا رگھو راؤ حاضر ہونا چاہتے ہیں تو فرمایا — ہم فقیر جی حضرت! ہمارے سے راجا کا کیا کام حضرت!

جب راجا حاضر ہوا تو فرمایا، اِدھر کیا کرتے جی حضرت! اُدھر جانا، لڑکا پیدا ہوا تو خوشیاں منانا!

جب راجا رگھو راؤ محل واپس پہنچے تو شادیانے بج رہے تھے۔ وہ معتقد ہو گئے۔ باباتاج الدینؒ کو محل لے کر آئے اور محل کا ایک بڑا حصہ ان کے قیام کے لئے مخصوص کر دیا۔

شکر درہ میں باباتاج الدینؒ کی سواری (تانگا) محل سے باہر آتی تو شور مچ جاتا۔ مٹھائی والے مٹھائی اور پھول والے پھول لے کر دوڑتے۔ عام و خاص بھی پیچھے پیچھے دوڑتے۔ سواری جس مقام پر رکتی، اس میں کوئی رمز ہوتا تھا۔ کسی کی

خیریت دریافت کرتے، کسی کو تسلی اور دعا دیتے۔

ایک مرتبہ قصبہ پاٹن ساوَنگی کی گلیوں میں سے گزرتے ہوئے ایک کچے مکان کے پاس رکے جہاں ضعیف میاں بیوی جوار پیس رہے تھے۔ ضعف کی وجہ سے چکّی چلانے میں دقّت پیش آرہی تھی۔ بابا تاج الدینؒ نے تانگے سے اتر کر جوار پیسنے میں مدد کی اور وہاں سے رخصت ہوئے۔ عقیدت مند بابا تاج الدینؒ کو کسی کی مدد کرتا دیکھتے تو ان میں سے کوئی شخص اس فرد کی مدد اپنے ذمے لے لیتا۔ یہ اللہ کے دوست کا لوگوں کو مخلوق دوست بنانے کا ایک انداز تھا۔

ایک صاحب جن کا نام حسام الدین تھا، واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے بابا تاج الدینؒ سے بیعت ہونے کا ارادہ کیا۔ خواب میں دیکھا کہ بابا تاج الدینؒ حوض سے وضو کر رہے ہیں۔ وضو کے پانی کی عجب تاثیر ہے کہ اس سے اعضا آئینے کی طرح شفاف ہو جاتے ہیں۔ بعد از وضو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم بھی وضو کر لو۔ میں نے وضو کیا اور میرے اعضا بھی آئینے کی طرح چمکنے لگے۔ اس کے بعد دایاں ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ میں نے دستِ مبارک تھام لیا اور آنکھ کھل گئی۔ میں نے اسے بیعت کی منظوری سمجھا اور حاضر ہونا چاہا۔ دفتر سے چھٹی لے کر شکر درہ پہنچا۔ اتنے میں محل سے سواری نمودار ہوئی تو ہجوم سواری کے پیچھے دوڑنے لگا۔ جب میں قریب پہنچا تو انہوں نے فرمایا،

”کیوں دوڑتے ہو حضرت! خواب میں ہاتھ ملایا ہے، وہ بس ہے۔“

ان الفاظ سے عیاں ہے کہ خواب کی دنیا کی اہمیت بیداری کی دنیا سے زیادہ ہے۔

واکی ہو یا شکر درہ — لوگ دیکھتے کہ بابا تاج الدینؒ ابھی ندی کے کنارے بیٹھے ہیں تو کچھ دیر بعد جنگل میں کسی درخت کے نیچے تشریف فرما ہیں۔ ان کو بیک وقت کئی مقامات پر دیکھے جانے کے واقعات بے شمار ہیں۔

ایک عقیدت مند نے دریافت کیا، آپ سو پچاس میل دور تو دیکھ لیتے ہوں گے؟

فرمایا، جدھر دیکھتا ہوں، لاکھوں کوس دیکھتا ہوں۔ (ایک کوس دو میل کے برابر ہے۔)

بابا تاج الدینؒ سائل کو اس کی صلاحیت کے مطابق تعلیم دیتے۔ کسی کو خلوت نشینی کا کہتے تو کسی کو جلوت میں رہنے کا حکم دیتے۔ کبھی جلالی اور کبھی جمالی کیفیت میں اشاروں یا تمثیلی انداز

میں نصیحت فرماتے۔ منشا یہ تھا کہ لوگ لالچ سے آزاد ہوں اور کسی کو کسی کی ذات سے تکلیف نہ پہنچے۔ کبھی سخت لہجہ بھی اختیار کرتے۔

ایک دفعہ کسی نے پوچھا، بابا! آپ لوگوں کو سخت سست کیوں کہتے ہیں؟ فرمایا،

"نہیں رے! میں تو انہیں دعا دیتا ہوں۔"

کسی عقیدت مند نے تکلیف پہنچانے والوں کے لئے بد دعا کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا،

"نکو (نہیں)! ہمارا دربار دعا کا ہے،
بددعا کا نہیں۔"

ایک خادم نے باوا کہہ کر مخاطب کیا تو فرمایا،

"میں تو تیری ماں ہوں رے۔"

احساسِ برتری میں مبتلا ایک شخص سلام کے لئے حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا، ہم کسی کو کم نہیں سمجھتے۔ وہ سمجھ گیا اور اصلاح کی۔

کسی نے عرض کیا، اپنے جیسا بنا دیجیے۔

فرمایا، طلب کی کتاب لے کر آؤ، بنا دیں گے۔

وہ جہاں ہوتے، سائلین کا ہجوم ہو جاتا۔ جب دعا اور دوا کے لئے حاضر ہونے والوں کی تعداد زیادہ ہو جاتی تو بسا اوقات فرماتے،

"تم سب جاؤ، تمہارے کام ہو گئے۔"

سب مطمئن واپس جاتے اور اللہ تعالیٰ ان کے کام بنا دیتا۔ وہ فرماتے تھے،

"طالب کو طلب کے مطابق عطا ہوتا ہے۔"

عبدالعزیزؒ نامی مرید واقعہ سناتے ہیں،

"ذہن ہر وقت مسائل میں الجھا رہتا تھا۔ یکایک بابا صاحبؒ نمودار ہوئے اور میرے پاس آکر کہا، حضرت! پنجرے سے کبوتر اڑا دو۔ یہ کہہ کر آپ چلے گئے۔ جیسے ہی آپ واپس ہوئے، میرے ذہن میں کوندے کی طرح ان الفاظ کے معانی آگئے۔ بابا صاحبؒ نے میرے دل کو پنجرہ کہا تھا اور خیالات کو کبوتروں کے ہم معنی قرار دیا تھا جو ہر وقت میرے دل میں گشت کرتے رہتے تھے۔ پنجرے سے کبوتر اڑا دینے کا مطلب یہ تھا کہ میں ان سے ذہن ہٹا کر یکسو ہو جاؤں کیوں کہ یکسوئی ہر معاملے میں کامیابی کی کلید ہے۔"

ایک عقیدت مند روحانی علوم سیکھنے کے لئے آسان راستے کی تلاش میں تھا۔ کسی کے کہنے پر قبرستان جا کر عمل شروع کر دیا، تیسرے دن کان میں باباتاج الدینؒ کی آواز آئی جس میں

ناگواری تھی، وہ فوراً خدمت میں حاضر ہوا۔

انہوں نے فرمایا، کیوں رے، کون بولا بڑے بڑے پہاڑاں کھودنے کو۔ یہ ماچس لے! کاہے کورے اِدھر اُدھر ڈھونڈتا ہے۔

دل میں عرض کیا، حضور! میں سمجھ نہیں سکا، آپ کیا فرما رہے ہیں۔ اِدھر خیال آیا اور اُدھر باباتاج الدینؒ نے ناراض لہجے میں فرمایا،

ذہن چراتا ہے۔

پھر بابا تاج الدین ناگپوریؒ نے شال کا ایک سرا اپنے ہاتھ میں اور دوسرا اس کے ہاتھ میں دے کر فرمایا، یہ بچھا، یہ ہے دکان!

اس کے بعد ماچس عنایت فرما کر تعلیم دی کہ جس طرح ماچس میں روشنی موجود ہے، اسی طرح تمہارے اندر اللہ کا نور موجود ہے، اپنے اندر تلاش کرو۔

شکر درہ میں قیام کے بعد باباتاج الدینؒ واکی آ گئے۔ قیام گاہ سے دو فرلانگ کے فاصلے پر آم کا درخت تھا۔ وہ اس مقام کو شفا خانہ کہتے تھے۔ مریض یہاں ٹھہرتے تھے — شفا خانے کے قریب ایک جگہ کو مدرسہ قرار دیا۔ دعا یا فہم میں اضافے کے لئے جو طلبہ دربارِ تاج الاولیاؒ میں حاضر ہوتے، ان کو مدرسہ میں قیام کا حکم دیتے۔

باباتاج الدینؒ جہاں گئے، کسی نہ کسی مقام کو مسجد قرار دیا۔ منتشر خیال اور وسوسے میں مبتلا لوگوں کو مسجد میں نماز کا حکم دیتے تھے۔

ایک موقع پر راجار گھوراؤ نے نادیدہ مخلوقات جیسے فرشتے اور جنات سے متعلق سوال کیا۔ بابا تاج الدینؒ نے جہاں اس کا مفصل جواب دیا، وہاں جواب کے آغاز میں اس امر کی نشاندہی کی کہ نادیدہ مخلوقات دور کی بات، آدمی کا دیدہ مخلوقات کو دیکھنا بھی سوالیہ نشان ہے۔

جس وقت سوال کیا گیا، بابا تاج الدینؒ لیٹے ہوئے تھے، نگاہ آسمان کی طرف تھی۔ فرمایا،

”میاں رگھوراؤ! ہم سب جب سے پیدا ہوئے ہیں، ستاروں کی مجلس کو دیکھتے رہتے ہیں۔ شاید ہی کوئی رات ایسی ہو کہ ہماری نگاہیں آسمان کی طرف نہ اٹھتی ہوں۔ بڑے مزے کی بات ہے، کہنے میں یہی آتا ہے کہ ستارے ہمارے سامنے ہیں، ستاروں کو ہم دیکھ رہے ہیں، ہم آسمانی دنیا سے روشناس ہیں لیکن ہم کیا دیکھ رہے ہیں اور ماہ و انجم کی کون سی دنیا سے روشناس ہیں، اس کی تشریح ہمارے بس کی بات نہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں، قیاس آرائی سے زیادہ نہیں ہوتا پھر بھی سمجھتے یہی ہیں کہ ہم جانتے ہیں۔“

سراج السالکین باباتاج الدین اولیاؒ کا وصال 17 اگست 1925ء (26 محرم الحرام، 1344ھ) کو تاج آباد، ناگپور میں ہوا۔

باباتاج الدین ناگپوریؒ کی حیات، تعلیمات، کرامات اور اقوال میں علوم کی بہت سی جہتیں ہیں جو ان کے نام کی تصویر ہیں۔ انہوں نے اس کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا،

"ہم اپنے نام کے ساتھ رہتے ہیں۔"

شہنشاہ ہفت اقلیم باباتاج الدین ناگپوریؒ جیسی ہستیاں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ آپ کے شاگردوں میں بڑے بڑے نام ہیں جن میں ابدالِ حق قلندر باباولیاؒ سرفہرست ہیں۔

قلندر باباولیاؒ فرماتے ہیں،

"نانا تاج الدینؒ جیسی برگزیدہ ہستی ساڑھے تین ہزار سال میں اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی کرم سے پیدا کرتا ہے۔ یہ ساری کائنات چار نورانی آبشاروں پر قائم ہے۔ نانا تاج الدینؒ کی عظمت کا حال یہ ہے کہ نور اور تجلیات کی ان چاروں آبشاروں کو اپنے اندر اس طرح جذب کر لیتے ہیں کہ ایک قطرہ بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوتا۔"

خالی تصویر

باباتاج الدین ناگپوریؒ کی کرامات لاشمار ہیں۔ ان میں گوالے کا زندہ ہونا، شیر کا آنا اور سرنگوں ہونا، پتّوں کا کیڑے بننا، دیوار میں سے گزرنا وغیرہ شامل ہیں۔

سوائے ایک موقع کے کوئی آپ کی تصویر کھینچ نہ سکا ــ جس نے تصویر کھینچنے کی کوشش کی، تصویر میں وہ جگہ خالی رہی۔

علی گڑھ یونیورسٹی کے طالب علم فوٹوگرافر کو ساتھ لائے اور تصویر کے لئے باباتاج الدینؒ کے دونوں جانب کھڑے ہوگئے۔

فوٹوگرافر نے تصویر کھینچی۔ جب وہ فوٹو دھلوا کر لایا تو تصویر میں لڑکے موجود تھے لیکن بابا صاحبؒ کی شبیہ نہ تھی۔

ایک فوٹوگرافر بڑا سا کیمرا تپائی پر جمائے آپ کی تصویر لینا چاہتا تھا۔ ناکامی پر افسردگی سے کہا، بابا! میں تو آپ کی تصویر فروخت کر کے بال بچوں کا پیٹ پالنے کی فکر میں تھا مگر آپ کو ذرا خیال نہیں۔ انہوں نے فرمایا، کیا بولا رے کیا بولا؟ لے اچھا اتار لے مٹی کی تصویر۔

دراصل باباتاج الدینؒ کا ذہن انوار میں جذب رہتا تھا جن کا احاطہ کیمرے نہ کر سکے۔

The Secret of a Beautiful Smile

DENTAL innovations Clinic

Dental Implants

Aesthetic Dentistry

Teeth Whitening, Porcelain Crowns, Veneers, Ceramic Restorations

Restorative Dentistry

Crown & Bridge, Root Canal Treatment

Orthodontics

Fixed And Removable Braces, Invisible Braces

General Dentistry

Extractions, Fillings, Dentures

Preventive Dentistry

Pit Fissure Sealants, Scaling, Root Planning

Minor Oral Surgery

Impaction (Wisdom Teeth), Apicectomy

Pediatric Dentistry

Space Maintainers, Steel Crowns

LAHORE

LG 136, Siddiq Trade Center
Main Boulevard Gulberg.
0301 2399991 - 042 2581711
0300 8511747

QUETTA

Balochistan Medical Center
Prince Road / Fatima Jinnah Road,
081 2836448 - 081 2825275
0300 3811747

FL 5 & 6, Block B, Gulshan-e-Jamal
Rashid Minhas Road, Karachi.
f: lavishdinerestaurant
Lavish Dine
Restaurant
www.lavishdinerestaurant.com
- Party up to
400 Persons
- Affordable
Party Menus
- Buffet
- À la carte
Ph: 021-34570423
Cell: 0333-3538004

عثمان طاہر

شعور نے کہا

”روشنیوں کے مراکز کا فنا ہو جانا اور ختم ہو جانا معمولی بات نہیں۔ جب تک یہ موجود ہیں، نوعِ انسانی کو ان سے فائدہ اٹھانے کے مواقع حاصل ہیں— جب یہ نہ ہوں گے تو نوعِ انسانی فلاح پانے کی لاکھ کوشش کرے، کامیاب نہیں ہو سکے گی۔“

پہلے دن کا چاند آسمان پر ہوتا ہے تو باقی تیرہ دنوں کا وجود کہاں چلا جاتا ہے اور آتا کہاں سے ہے—؟ یہ جاننے کے لئے کچھ روز چاند کا مشاہدہ کیا۔ سنا تھا کہ چاند کو دیر تک نہیں دیکھنا چاہئے کیوں کہ اس کی لہریں جذبات پر اثر انداز ہوتی ہیں اور پارے کی سی تاثیر پیدا کر دیتی ہیں اس لئے احتیاط دامن گیر رہی۔

پہلی کا چاند باریک تھا اور نہایت کم وقت کے لئے نظر آیا۔ تیسرے چوتھے روز اس کے گرد ہالہ گہرا ہوا اور سات روز میں چاند آدھا ظاہر ہو گیا۔ ایک منٹ کے لئے نظر جما کر چاند اور اس کے اطراف کو بغور دیکھا تو مشاہدہ ہوا کہ آسمان پر پورا چاند موجود تھا— آدھا تاریک اور آدھا روشن جب کہ تاریک حصے پر دائرے کی لکیر (قوس) واضح تھی۔ شعور نے کہا کہ یہ تاریکی بے رنگ نہیں کیوں کہ جو گوشہ روشن ہے، وہ چند روز پہلے تاریک تھا اور جو آج تاریک ہے، وہ کل روشن ہو جائے گا۔ یقیناً تاریک گوشے کے اندر میری حسیات سے ماورا رنگ ہیں اس لئے ہم اسے تاریک سمجھتے ہیں لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ جب دائرے کی لکیر نظر آسکتی ہے تو اس حصے کے اندر رنگ نظر کیوں نہیں آتے؟

ہو سکتا ہے کہ بادل کا کوئی ٹکڑا چاند کے آگے رہتا ہو اور روز تھوڑا تھوڑا سرکتا ہو۔ اس امکان کی وجہ یہ ہے کہ جب پورے چاند کے سامنے سے بادل گزرتے ہیں تو چاند ان میں چھپ جاتا ہے اور بادلوں میں کرنیں نظر نہیں آتیں۔

اگلے خیال نے دماغ میں لہروں کو الٹ پلٹ

کر دیا۔ بادل آگے آنے سے چاند چھپ جاتا ہے مگر زمین پر اس کی ضوفشانی موجود ہوتی ہے۔ ہونا یہ چاہئے کہ جب چاند بدلیوں کی اوٹ میں جاتا ہے، زمین پر اس وقت اندھیرا گہرا ہو جائے لیکن ایسا نہیں ہوتا، زمین ہلکی ہلکی روشن رہتی ہے جیسے کسی نے سیاہ رنگ میں سفید رنگ کی معمولی آمیزش کر دی ہو۔ اگر زمین رات کو چاند کی ضوفشانی سے روشن نہیں تو پھر کس چیز سے روشن ہے اور یہ روشنی ہلکی سہی مگر کہاں سے آرہی ہے—؟ راقم الحروف کو مشاہدہ ہوا کہ

- آسمان پر پورا چاند روز موجود ہوتا ہے۔ اس کا کوئی گوشہ پردے میں اور کوئی ظاہر ہوتا ہے۔

- چاند کو ایک وقت نہ دیکھنا، اگلے وقت دیکھ لینا اور پھر نہ دیکھنا دراصل چاند کا گھٹنا اور بڑھنا سمجھا جاتا ہے جب کہ کسی شے کو گھٹتے بڑھتے دیکھنے کا تعلق نظر سے ہے۔

گھٹنے بڑھنے کے نظام سے گنتی قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے گنتی میں تقسیم آدمی کے لئے دنیا کا نظام اسی طرح متعین کیا ہے کیوں کہ آدمی ایک وقت میں پوری شے نہیں دیکھتا، وہ شے کے ایک حصے کو دیکھتا ہے پھر دوسرے حصے کو دیکھتا ہے۔ جب دوسرے حصے کو دیکھتا ہے تو پہلا حصہ اوجھل ہوتا ہے اور جب پہلے حصے کو دیکھتا ہے تو دوسرا نظر نہیں آتا۔ یہ تغیر کا نظام ہے اور اسی پر کاروبارِ دنیا قائم ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے،

"اور چاند، اس کے لئے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ ان سے گزرتا ہوا وہ پھر کھجور کی سوکھی شاخ کی مانند رہ جاتا ہے۔"

(یٰسٓ : ۳۹)

◇——◇——◇

کائنات میں ہر شے تغیر پذیر ہے۔ تغیر گھٹنے، بڑھنے اور بڑھ کر گھٹنے کو کہتے ہیں۔ گھٹنے بڑھنے کا عمل جسم سے وابستہ ہے جس کی حیثیت لباس کی ہے۔ ثبوت یہ ہے کہ بچپن سے لڑکپن یا لڑکپن سے جوانی میں داخل ہونے والے فرد کو علم ہوتا ہے کہ میں وہی ہوں جو جوانی میں داخل ہونے سے پہلے تھا— صرف لباس تبدیل ہوا ہے۔

تغیر کو مراتب کہا جائے تو غلط نہیں۔ میری دانست میں یہ تغیر کے لئے بہتر متبادل لفظ ہے۔ مرتبہ کے معنی درجے کے ہیں اور تغیر شے کو درجہ درجہ ظاہر کرنے کا نظام ہے۔ ہر تخلیق کئی مراتب سے گزرتی ہے اور ہر 'مرتبہ' اپنے سے پہلے اور بعد کے مرتبے سے منسلک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چاند— چودھویں کا چاند بن کر دوبارہ

پہلے مرتبے پر آجاتا ہے۔

مراتب یا تغیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر شے کے دو رخ نہ ہوں تو وہ ایک مرتبے سے دوسرے مرتبے میں داخل نہیں ہو سکتی۔ اللہ نے ہر تخلیق جوڑے جوڑے اور جوڑے دہرے پیدا کی ہے تاکہ تخلیق حالت در حالت سفر کر کے اختتام کو پہنچے۔ یہ مخلوق کی صفت ہے جب کہ اللہ جس نے یہ نظام تخلیق کیا ہے، وہ تغیر سے بے نیاز ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے،

"کہہ دیجئے کہ اللہ احد ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔ نہ وہ کسی کا باپ ہے نہ بیٹا۔ اس کا کوئی خاندان نہیں۔" (الاخلاص: ۱۔۴)

◇———◇———◇

احد کثرت اور درجات سے ماورا ہے۔ اللہ احد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، وہ بے نیاز ہے۔ اللہ کی ذات و صفات کو کسی بھی طرح بیان نہیں کیا جا سکتا۔ وہ تغیر سے ماورا ہے یعنی ہر جگہ موجود ہے۔ اس کے برعکس مخلوق ہر لمحہ غائب ہو کر ظاہر ہوتی ہے اور پھر غائب ہو جاتی ہے۔ غیب ظاہر کی وجہ سے اس کی شکل تبدیل نظر آتی ہے۔ دن رات، عمر کے ادوار، سماجی حیثیت، علم و فن، شکل و صورت میں تنوّع، موسم میں ردّوبدل، عقل و دانائی میں کمی بیشی، بیداری اور نیند، شعور اور لاشعور، خیال کے مدارج، سات آسمان اور ان کے مثل زمینیں، کہکشانی نظام اور لاشمار عالمین — یہ سب درجات اور مراتب ہیں جو معین مقداروں پر قائم ہیں۔

کائنات میں ارتقا کا سبب تغیر ہے۔ یہ اللہ کے حکم سے اور اللہ کے بنائے ہوئے قانون کے تحت ہوتا ہے اور تغیر کے ہر درجے کی حفاظت ہوتی ہے۔ یہاں دو نکات قابلِ غور ہیں۔

- تغیر کیا ہے اور کس طرح ہوتا ہے؟
- تغیر کے ہر درجہ یا مرتبہ کی حفاظت کیا ہے؟

◇———◇———◇

تغیر کو 'مرتبہ' سمجھ لیا جائے تو آدمی الوژن (فریبِ نظر) سے آزاد اور حقیقت سے واقف ہو جائے گا کیوں کہ پھر وہ اس امر پر سوچے گا کہ یہ کس چیز کے مراتب ہیں۔ نیز وہ کسی حالت کو حتمی قیاس نہیں کرے گا بلکہ مرتبہ سمجھ کر ان سے گزرتا اور آگے بڑھتا جائے گا۔

تغیر کو مرتبہ سمجھنے سے قربت اور دوری کے مراحل بھی طے ہوتے ہیں۔ کائنات دوری اور قربت کے نظام پر قائم ہے۔ دوری کی طرح قربت کے بھی مراتب ہیں۔ پیدائش، بچپن،

لڑکپن، جوانی اور بڑھاپا ایک طرف دوری اور دوسری جانب قربت ہیں۔ جہاں سے یہ آرہے ہیں، وہاں سے دوری ہورہی ہے اور جہاں یہ جارہے ہیں، وہاں سے قربت ہورہی ہے۔ قرآن کریم میں قربت کے مراتب بیان کئے گئے ہیں۔ سمجھنے کے لئے ایک مثال یہ ہے۔

"الف۔ لام۔ میم۔ یہ اللہ کی کتاب ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔ ہدایت ہے متقیوں کے لئے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں، جو کتاب تم پر نازل کی گئی ہے اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں، ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔" (البقرۃ: ۱۔۵)

ان آیات سے بات یہ سمجھ میں آتی ہے،

① قربت کا پہلا مرتبہ الف لام میم ہے جس سے صرف اللہ اور وہ بندے واقف ہیں جن کو اللہ نے یہ علم عطا کیا ہے۔

② راز و نیاز کے مرتبے کو حاصل کرنے کے مراتب آگے کی آیات میں ہیں جیسے،

- دل کا شکوک اور وسوسوں سے پاک ہونا تاکہ یقین کی راہ ہموار ہو۔
- ان حقائق کا مشاہدہ ہونا جن کو دیکھنے سے مادی نظر قاصر ہے۔
- خالق سے ربط قائم کرنا۔
- ربط سے بندہ جان اور دیکھ لیتا ہے کہ ہر شے اللہ کی طرف سے ہے اور میں اللہ کے دیئے ہوئے وسائل میں سے خرچ کرتا ہوں۔
- قرآن کریم اور دیگر الہامی کتابوں پر ایمان۔ اس بات پر بھی ایمان کہ ہمیں اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

③ ان مراتب کا خیال رکھنے والا اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہے اور فلاح یافتہ ہے۔

ہر نوع اور تخلیق کے مراتب ہیں اور تخلیق ان سے گزر کر بالآخر اس مقام میں داخل ہو جاتی ہے، جہاں سے وہ آئی ہے۔ ایک مرتبہ ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ نے سورۃ الواقعہ کی آیات ۷۵ اور ۷۶ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا،

"نجم کے معنی ہیں مرکزِ روشنی۔ قرآن پاک میں زیادہ تر یہ لفظ ان ہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے اس طرح کہ میں قسم کھاتا ہوں کہ سب روشنیوں کے مرکز فنا ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ مذکورہ بات

کہہ کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ روشنیوں کے مراکز کا فنا ہوجانا اور ختم ہوجانا معمولی بات نہیں۔ جب تک یہ موجود ہیں، نوعِ انسانی کو ان سے فائدہ اٹھانے کے مواقع حاصل ہیں۔ جب یہ نہ ہوں گے تو نوعِ انسانی فلاح پانے کی لاکھ کوشش کرے، کامیاب نہیں ہوسکے گی۔ روشنی کے مراتب اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں کا مجموعہ ہیں۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ اس بات کو سمجھنے پر زور دے رہے ہیں کہ میرے بنائے ہوئے روشنیوں کے مراکز کو نظر انداز کردینا بہت بڑی بدقسمتی اور ناکامی ہے۔"

زندگی مراتب میں گزرتی ہے ___ ہر وہ شے جس کے بدلنے کو ہم تغیر کہتے ہیں، اس بات کی متقاضی ہے کہ وہ جہاں سے اور جن روشنیوں کے ساتھ آئی ہے، واپس جاتے ہوئے روشنی کی وہ مقداریں برقرار رہیں اور ان مقداروں پر کثافت کا غلبہ نہ ہو۔

مضمون چاند سے شروع ہوا تھا لہٰذا شعور کہتا ہے کہ چاند نظر آنے کے 14 دن چاند سے واقف ہونے کے مراتب ہیں اور چاند کے غائب ہونے کے 14 دن، ان مراتب سے واقفیت ہے جہاں چاند چھپ رہا ہے۔

بادشاہ کون ___؟

ایک بادشاہ سلطنت کی سیر کو نکلا۔ ایک مقام پر فقیر سے ملاقات ہوئی۔ اسے فقیر بہت خوش اور مطمئن نظر آیا۔

اس نے پوچھا کہ میں اس ریاست کا بادشاہ ہوں، میرے پاس سب کچھ ہے، تمہارے پاس کچھ نہیں، اس کے باوجود تم مجھ سے زیادہ خوش نظر آتے ہو؟

فقیر نے کہا، میں اس لئے خوش رہتا ہوں کہ میں بھی بادشاہ ہوں۔

بادشاہ نے قہقہہ لگایا اور فقیر کی سادگی کو غربت سمجھ کر چاروں طرف نظر دوڑاتے ہوئے پوچھا، اے غریب آدمی! کہاں ہے تمہاری سلطنت؟

فقیر مسکرایا اور دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، یہ ہے میری سلطنت! تم زمینوں اور لوگوں پر حکمرانی کرتے ہو لیکن میں اپنی خواہشات اور خیالات پر حکمران ہوں۔ زیادہ کی خواہش نے تمہیں بادشاہ ہو کر بھی غلام بنادیا ہے جب کہ فہم کہتی ہے کہ بادشاہ وہ ہے جو زمینی خواہشات کی غلامی سے آزاد ہو۔

تعارف ـــــ؟

مکانیت میں رہتے ہوئے خارجی نگاہ کام کرتی ہے۔ ہم جب کسی چیز کو دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زید نے بکر کو دیکھا تو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ زید و بکر کے درمیان جو فاصلہ ہے، اس فاصلے نے دونوں کے درمیان ایک تعلق قائم کیا اس لئے کہ فاصلے کے بغیر دیکھنے کا عمل پورا نہیں ہوتا۔ یہ فاصلہ ہر چیز کے درمیان مشترک ہے۔ فاصلہ ہی ہمیں ایک دوسرے سے متعارف کراتا ہے۔ دو افراد ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں، دونوں کے درمیان فاصلہ ہے لیکن یہ فاصلہ حذف ہو جائے تو یہ ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے۔ فاصلہ ہی تعارف کا سبب ہے۔

کائنات کے اندر فاصلہ، کائنات کو دیکھنے کا ذریعہ ہے۔ ہم سورج کو دیکھتے ہیں، سورج کا فاصلہ زمین سے تقریباً نو کروڑ تیس لاکھ میل ہے لیکن جب ہم سورج کو دیکھتے ہیں تو سورج کو اسی طرح دیکھتے ہیں جس طرح کسی چیز کو ایک انچ کے فاصلے سے دیکھتے ہیں۔ نو کروڑ تیس لاکھ میل دیکھنے میں ہماری نگاہ کا زاویہ نہیں بدلتا۔ ہم سورج کو دیکھتے ہیں جو نو کروڑ تیس لاکھ میل دور ہے جب کہ پیمائش ایسا عمل ہے جو قیاس پر مبنی ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ انسان اور سورج کے درمیان رشتہ موجود ہے جو ایک دوسرے کو پہچاننے کا ذریعہ بن رہا ہے۔ جس طرح ہماری نگاہ تقریباً نو کروڑ تیس لاکھ میل دور سورج کو دیکھتی ہے، اگر روحانی اسباق کے ذریعے ہم اپنے اور سورج کے درمیان فاصلے سے واقفیت حاصل کر لیں تو ازل تا ابد دیکھنا ممکن العمل ہو سکتا ہے۔

خورشید احمد

سوال

قارئین سے سوال ہے کہ اگر کاروباری ادارے ایسی مصنوعات بنائیں کہ وہ کئی سو سال چلیں تو کیا ایسا کرنے سے ایک وقت کے بعد معیشت کی گردش رک جائے گی—؟

انٹرنیٹ پر معلومات تلاش کرتے ہوئے ایک اشتہار دیکھا۔ یہ چند سال قبل متعارف کرائے گئے موبائل فون کے بارے میں تھا جو اپنے وقت کے بہترین فون میں شمار ہوتا تھا۔ اشتہار دیکھ کر سوچا کہ یہ فون سالوں گزرنے کے بعد بھی خراب نہیں ہوا پھر ہر سال نئے فون اور ماڈل کیوں آتے ہیں؟ میرا فون اچھا کام کر رہا ہے، اسے چھوڑ کر دوسرا فون کیوں خریدوں؟

ایک واقعہ نظر سے گزرا۔

کسی صاحب کے آفس میں سیلز مین آئے اور کہا کہ ہماری نئے ماڈل کی گاڑی خریدیئے۔ ان صاحب نے کہا، میرے زیر استعمال گاڑی آپ کی ہی کمپنی نے پچھلے سال متعارف کی تھی۔ کیا اس ماڈل میں خرابی ہے جو نیا ماڈل خریدوں؟

سیلز مین بولے، کوئی خرابی نہیں۔

صاحب نے پوچھا، نئے ماڈل میں پرانے ماڈل کی کون سی کمی دور کی گئی ہے؟

سیلز مین نے کہا، سسٹم اپ گریڈ ہوا ہے۔

وہ صاحب بولے، ایک سال پرانے ماڈل میں نقص نہیں، محض ایک دو خصوصیات (فیچرز) کا اضافہ ہوا ہے پھر نیا ماڈل کیوں خریدوں؟ میری گاڑی ان فیچرز کے بغیر بھی چل رہی ہے۔ اگلی مرتبہ جب تم لوگ گاڑی بناؤ تو معمولی فیچرز کو اگلے سال کے لئے نہ چھوڑنا۔

سیلز مین لاجواب ہو گیا۔

ہم نے کوئی چیز خریدی، اگلے سال نیا ماڈل آیا تو کیا پچھلے ماڈل میں خرابی تھی—؟ اس سوال میں صنعتی دور کے فروغ کا ایک راز ہے۔

سو سال پہلے ایک کمپنی نے زیادہ عرصے تک

جلنے والے بلب بنائے اور اُس سال چھ کروڑ 30 لاکھ بلب بیچے۔ اس سے اگلے سال کمپنی دو کروڑ 80 لاکھ بلب بیچ سکی۔ بلب جس علاقے میں فروخت کئے گئے تھے، وہاں کے لوگوں کو مزید بلبوں کی ضرورت نہیں رہی کیوں کہ گزشتہ سال خریدے گئے بلب درست کام کررہے تھے۔ اس تجربے کے بعد کمپنی نے آئندہ جتنے بلب بنائے، ان کا عرصۂ حیات کم رکھا گیا۔

کیا یہ چھوٹے ذہن کی علامت نہیں ہے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ بلب کی عمر زیادہ طویل نہیں ہوتی۔ امریکی ریاست کیلی فورنیا کے شہر لیومور کے ایک فائر بریگیڈ اسٹیشن میں 1901ء سے ایک بلب مسلسل جل رہا ہے اور خراب نہیں ہوا۔ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ دنیا کا طویل عرصے تک جلنے والا بلب ہے۔ اس کے ساتھ سوئچ نہیں کہ کوئی کھول بند کرسکے۔ بلب کے ساتھ ایک بیٹری اور جنریٹر لگایا گیا ہے تاکہ بلب بند نہ ہو۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ بلب میں جو ٹیکنالوجی استعمال ہوئی، اس ٹیکنالوجی سے بننے والے مزید بلب اب ایک ہزار گھنٹے سے زیادہ نہیں جلتے جب کہ یہ بلب لاکھوں گھنٹوں سے جل رہا ہے۔

صنعتوں کے فروغ کی ایک شکل ڈسپوزیبل اشیا ہیں۔ ہم پلیٹیں استعمال کرکے دھوتے ہیں لیکن ڈسپوزیبل پلیٹ ایک دفعہ استعمال کے بعد پھینک دی جاتی ہے۔ مثلاً گھر میں چھ افراد ہیں تو ڈسپوزیبل پلیٹیں چھ کی تعداد میں استعمال ہوں گی۔ اگر دن میں تین دفعہ ایسی پلیٹیں استعمال کی جاتی ہیں تو ایک دن میں 18 اور 30 دنوں میں 540 پلیٹیں خریدی جائیں گی۔

ٹھنڈے مشروبات پہلے شیشے کی بوتلوں میں آتے تھے، اب ڈسپوزیبل پیکنگ میں دستیاب ہیں اور استعمال کے بعد پھینک دی جاتی ہیں۔ کمپنی شیشے کی بوتلیں ایک دفعہ بناتی تھی، اب بوتلیں بنانے کی صنعتیں بے شمار ہیں۔

ڈسپوزیبل اشیا ہماری زندگی میں خاموشی سے داخل ہوگئی ہیں جن سے معاشی سرگرمیوں میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ مسائل بھی پیدا ہوئے ہیں۔ پہلے کپڑے کے تھیلے میں سودا آتا تھا، اب پلاسٹک بیگ میں آتا ہے۔ پلاسٹک بیگ خود ایک مسئلہ ہے۔ اگرچہ یہ استعمال کے بعد پھینک دیا جاتا ہے مگر یہ ختم نہیں ہوتا جس کی وجہ سے دنیا بھر میں کوڑے کی مقدار میں اضافہ ہورہا ہے اور آلودگی پھیل رہی ہے۔ یہی حال

باقی ڈسپوزیبل اشیا کا ہے۔ اسی طرح پہلے جو صابن بنتے تھے، وہ ایک مہینے میں بھی خرچ نہیں ہوتے تھے، اب جو بنتے ہیں ـــــ وہ آٹھ دس دن میں ختم ہو جاتے ہیں۔ یہاں تین نکات زیرِ غور ہیں:

۱۔ ہر کاروباری ادارہ چاہتا ہے کہ اس کی بنائی ہوئی مصنوعات مسلسل بکتی رہیں۔ اس پالیسی کے جہاں فوائد ہیں، وہاں مسائل بھی ہیں کیوں کہ وہ ادارہ اس کے لئے تدبیر کیا اپناتا ہے ـــــ یہ اپنی جگہ سوال ہے۔

۲۔ ایک تاثر یہ ہے کہ مصنوعات کی پائیداری میں کمی کی وجہ سرمایہ دارانہ سوچ ہے تاکہ خرید و فروخت کا سلسلہ جاری رہے ورنہ معیشت کا پہیّہ کیسے چلے گا۔

۳۔ اگر کاروباری ادارے ایسی مصنوعات بنائیں کہ وہ کئی سو سال چلیں تو کیا ایک وقت کے بعد معیشت کی گردش رک جائے گی؟

دیکھا گیا ہے کہ خرید و فروخت کے نظام کو قائم رکھنے کے لئے بعض مصنوعات کی مدت کم اور بعض کی زیادہ رکھی جاتی ہے لیکن حقیقت ہے کہ شے کی مدت زیادہ کیوں نہ ہو، ایک دن وہ ناکارہ ہوتی ہے یا ٹوٹ جاتی ہے۔

معتبر ساکھ کی کمپنیاں مصنوعات کی بناوٹ میں استعمال ہونے والی اشیا کو زیادہ سے زیادہ خالص رکھتی ہیں تاکہ وہ طبعی عمر پوری کرنے سے پہلے نہ ٹوٹیں۔ لوگ ان کمپنیوں کو ترجیح دیتے ہیں اور اس محاورے پر یقین رکھتے ہیں کہ مہنگا روئے ایک بار، سستا روئے بار بار۔

دوسری طرف اب ایسی مصنوعات کی بناوٹ میں اضافہ ہو رہا ہے جن میں ملاوٹ زیادہ ہے۔ وہ جلد ٹوٹتی یا خراب ہوتی ہیں۔ پسماندہ ممالک میں یہ رجحان زیادہ نظر آتا ہے۔ ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک میں یہ شرح کم ہے۔ یہاں ترقی پذیر سے مراد وہ ممالک ہیں جو معاشی ترقی کی راہ میں سنجیدگی سے سرگرداں ہیں۔

جب شے کو ایک دن ٹوٹ کر بکھرنا ہے پھر آدمی اس عمل میں تیزی کیوں چاہتا ہے؟ وہ غیر معیاری اور ملاوٹ زدہ مصنوعات کی فروخت کو اپنی ترقی کا ذریعہ کیوں سمجھتا ہے؟

راقم الحروف نے 20 سے 30 سال کی عمر کے لوگوں کے سامنے یہ سوال رکھا کہ اگر کاروباری ادارے ایسی مصنوعات بنائیں کہ وہ کئی سو سال چلیں تو کیا ایسا کرنے سے ایک وقت کے بعد معیشت کی گردش رک جائے گی؟

سب کا کہنا تھا کہ معیشت کا پہیّہ چلتا رہے گا۔

ایک شخص نے یہ دلیل دی کہ آدمی ناشکرا ہے، اچھی سے اچھی چیز پاس ہو پھر بھی وہ "اور" کی طلب رکھتا ہے اس لئے معیشت جاری رہے گی۔

جس شخص کی دلیل مجھے پسند آئی، اس کے پاس بزنس مارکیٹنگ کی ڈگری ہے اور عمر تیس سال ہے، چار سال تک جوتے کی دکان چلانے کے بعد دو سال قبل فیکٹری کھول لی جہاں وہ جوتے بناتا ہے۔ اس نے کہا،

"اچھی چیز بنانے کے بعد آپ مزید اچھی چیزیں بناتے ہیں، اس کے بعد مزید اچھی اور پھر مزید اچھی۔ جو چیزیں پرانی ہو جائیں، وہ ان ممالک کو ایکسپورٹ کر دی جائیں جہاں پر وہ چیزیں نہیں۔ جاپان اور جرمنی وہ مصنوعات بناتے ہیں جو ہم سوچ نہیں سکتے۔ اور جو چیزیں ہم استعمال کر رہے ہیں، یہ ممالک وہ چیزیں برسوں پہلے بنا کر اور استعمال کر کے چھوڑ چکے ہیں۔ طویل المدت چیزیں بنانے سے معیشت نہیں رکے گی بلکہ اس کی رفتار بڑھ جائے گی اور ایک دن آپ سپر پاور بن جائیں گے۔"

قارئین — اس سلسلے میں اپنی رائے ادارہ "ماہنامہ قلندر شعور" کو لکھئے۔

غیر معیاری مصنوعات بنا کر یہ سمجھنا کہ طلب و رسد کا پہیّہ گردش میں رہے گا، غیر معقول سوچ ہے۔ معیشت تب ترقی کرتی ہے جب یقین پر قائم ہوتی ہے۔ شک کی بنیاد پر کھڑی عمارتیں گر جاتی ہیں اس لئے ترقی کے لئے ملاوٹ اور بے ایمانی سے گریز کرنا چاہئے — اگر یہ یقین حاصل ہو جائے کہ یہاں کسی شے کو دوام نہیں تو کسی کو یہ خوف نہیں ہو گا کہ میری شے ایک دفعہ بکنے کے بعد دوبارہ نہیں بکے گی۔ اس یقین سے تحقیق و تلاش کے راستے کھلیں گے اور نئی راہوں کا ادراک ہو گا۔

جس آدمی کی سوچ میں پائیداری اور طویل المدت پہلو نہ ہو، اس کا اپنا نام اور کام زیادہ دیر کیسے رہے گا —؟ جو قوم ایمان داری سے تجارت کرتی ہے، وہاں خرید و فروخت کا تناسب کم نہیں ہوتا۔ دنیا میں نئے لوگ آتے ہیں، نئی بستیاں آباد ہوتی ہیں، نئی منڈیوں تک رسائی ملتی ہے، تجارت کا دائرہ دوسرے ملکوں تک پھیلتا ہے۔ دنیا کے نظام کو جب تک اللہ چاہے، قائم رہنا ہے۔ نظام کو قائم رکھنے کے لئے جتنی ضروریات ہیں، وہ بھی موجود رہیں گی۔

عاصم بیگ

گھڑی کا پنڈولم

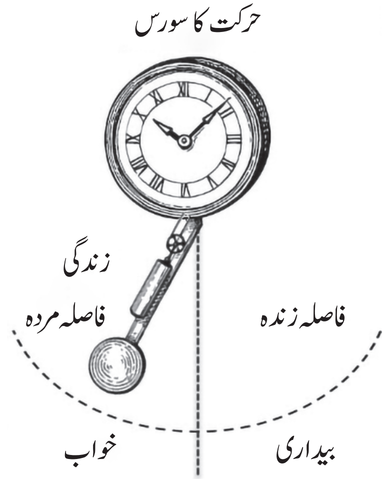

زندگی دو حصوں میں تقسیم نظر آتی ہے۔ ایک حصّہ بیداری ہے اور دوسرا حصّہ خواب ہے۔ عام رویہ ہے کہ خواب کی زندگی کو اتنی اہمیت نہیں دی جاتی جتنی بیداری کو دی جاتی ہے جب کہ نصف عمر خواب پر مشتمل ہے اور دونوں میں تقاضے، کیفیت اور عمل یکساں ہیں۔

زندگی خواب کی ہو یا بیداری کی، اطلاع کی مرہونِ منت ہے۔ اطلاع کو عام فہم زبان میں خیال کہتے ہیں۔ اطلاع کا ماخذ (source) ایک ہے۔ سورس سے زندگی ظاہر ہو کر خواب اور بیداری میں ردّوبدل ہوتی ہے۔

مثال: پنڈولم کو گھڑی کے اندر سیل سے حرکت ملتی ہے۔ سیل میں موجود توانائی حرکت کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ پنڈولم مخصوص وقفے میں دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں حرکت کرتا ہے اور حرکت کے دوران اس کی توانائی دونوں جانب برابر تقسیم ہوتی ہے۔

ذہن پر زور دیجئے۔

پنڈولم کو ملنے والی توانائی ایک ہے جس کی بنا پر اس کی دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں حرکت بھی ایک ہے مگر حرکت کا مظاہرہ خواب اور بیداری کی طرح دو زون میں تقسیم ہے۔ سمجھنے کے لئے ایک زون کو دن اور دوسرے کو رات کہیں گے۔ پنڈولم ہلتا ہے تو دونوں جانب یکساں فاصلہ طے کرتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ جب یہ دن کی روشنی (بیداری) میں ظاہر ہوتا ہے تو آدمی فاصلے کو محسوس کرتا ہے اور جب یہ رات کی روشنی (خواب) میں داخل ہوتا ہے تو فاصلہ حواس کی حدود میں مغلوب ہو جاتا ہے۔

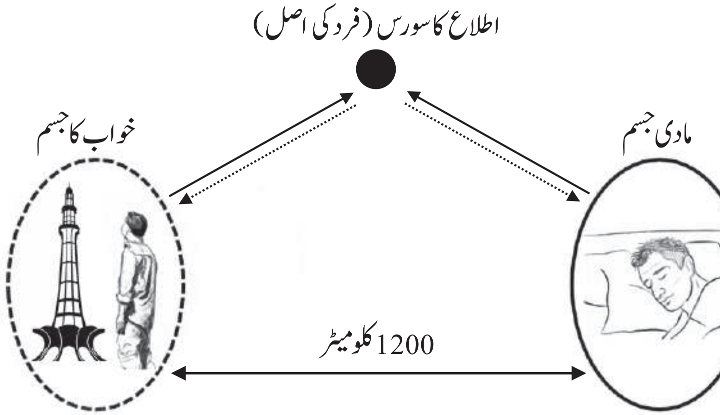

قرآن کریم میں ارشاد ہے،

”رات کو دن میں پروتا ہوا لے آتا ہے اور دن کو رات میں۔ بے جان میں سے جاندار کو نکالتا ہے اور جاندار میں سے بے جان کو اور جسے چاہتا ہے، بے حساب رزق دیتا ہے۔“

(اٰلِ عمران: ۲۷)

فاصلے کو قبول کیا جائے تو یہ دن یعنی بیداری کی زندگی ہے اور محسوس نہ کیا جائے تو یہ خواب کی زندگی ہے۔ براہِ راست طرز میں اس قانون کو ایسے بیان کیا جاسکتا ہے کہ خواب اور بیداری سونے جاگنے کا عمل نہیں بلکہ فاصلے کے زندہ یا مردہ ہونے کا نام ہے۔

مثال: زید کراچی میں ہے۔ خواب میں خیال آتے ہی مینارِ پاکستان (لاہور) پہنچ جاتا ہے۔ کراچی سے لاہور کا فاصلہ تقریباً 1200 کلومیٹر ہے۔ فاصلے کو گاڑی کے ذریعہ طے کرنے میں 15 سے 17 گھنٹے لگتے ہیں۔ خواب میں لاہور پہنچنے کے لئے سفر لمحے میں طے ہو جاتا ہے۔

غور طلب ہے کہ مادی جسم اور خواب کا جسم، ایک وقت میں دو مختلف مقامات پر موجود ہیں۔ درمیان میں 1200 کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ فاصلے کی پیمائش بیداری کے حواس میں ہوئی جب کہ خواب میں فاصلے کی نفی ہوگئی۔ نفی اس حقیقت سے پردہ اٹھاتی ہے کہ مادی جسم اور خواب کے جسم کے درمیان کوئی فصل نہیں — وہ وقت یا لمحہ جس میں فرد کا دو مختلف جگہ مظاہرہ ہوتا ہے، ایک ہے۔ مٹی کا جسم بیدار ہونے پر لمحہ تقسیم ہوجاتا ہے جب کہ خواب میں یہ تقسیم لمحے میں سمٹ جاتی ہے۔ لمحے کو ہم Source of Information کہہ سکتے ہیں۔

جب فرد اپنی اصل (اطلاع کے سورس) سے واقف ہوتا ہے، اس کے اندر صلاحیت بیدار ہوتی ہے کہ وہ بیک وقت خود کو کئی مقامات پر ظاہر کرسکتا ہے۔

شہنشاہِ ہفت اقلیم باباتاج الدین ناگپوریؒ نے 18 سال کی عمر میں فوج میں شمولیت اختیار کی۔ یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب وہ اسلحے کے ذخیرے کی حفاظت پر مامور تھے۔ ایک رات دو بجے پہرہ دے رہے تھے کہ انگریز افسر معائنے کے لئے آیا۔ ناناتاج الدینؒ کو تندہی سے پہرہ دیتے دیکھا پھر یہاں سے نصف فرلانگ کے فاصلے پر چھوٹی مسجد کے پاس سے گزرا۔ چاندنی رات تھی، مسجد کا صحن روشن تھا۔ وہ چونک گیا کہ جو سپاہی پہرہ دے رہا تھا، وہ مسجد کے صحن میں نماز ادا کر رہا ہے۔ وہ اسلحہ خانے واپس آیا تو قدموں کی چاپ سن کر سپاہی نے پکارا، رک جاؤ!

افسر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ سپاہی ڈیوٹی پر موجود ہے۔ کچھ کہے بغیر اس نے مسجد کا رخ کیا تو دیکھا کہ سپاہی عبادت میں مصروف ہے۔ ایک بار پھر تصدیق کے لئے اسلحہ خانے پہنچا اور وہاں سے دوبارہ مسجد آیا تو وہی منظر سامنے تھا۔

باباتاج الدینؒ نے اس واقعہ کے بعد یہ کہہ کر ملازمت سے استعفیٰ دے دیا تھا،

”ہم دو دو نوکریاں نہیں کرتے جی!“

خواب اور بیداری کے ضمن میں یہ قیاس درست نہیں کہ بیداری میں خواب کی زندگی موجود نہیں ہوتی اور جب ہم خواب دیکھتے ہیں تو بیداری کی زندگی لاموجود ہوجاتی ہے۔ زندگی کا مظاہرہ بیک وقت خواب اور بیداری میں ہورہا ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کا عکس ہیں۔ ان میں فرق یہ ہے کہ بیداری میں ذہن فاصلے کو قبول کرلیتا ہے۔

مثال: پروجیکٹر سے تصویر نشر ہوتی ہے تو پہلے پروجیکٹر کے سامنے چھوٹے ٹرانسپیرنٹ شیشے پر ظاہر ہوتی ہے۔ تصویر وہاں سے چھن کر (فلٹر ہوکر) سنیما ہال کے خلا میں داخل ہوکر لکیروں میں تقسیم ہوتی ہے پھر وہاں سے یہ بڑی اسکرین پر ظاہر ہوتی ہے۔

تجزیہ: پروجیکٹر سے نکلنے والی تصویر ایک ہے لیکن مظاہرہ دو جگہ پر ہورہا ہے۔ پروجیکٹر کے سامنے شیشے پر مظاہرے کو ہم خواب جب کہ سنیما کی اسکرین پر مظاہرے کو بیداری کہہ سکتے

ہیں بلکہ کہتے ہیں۔ اس مظاہرے میں پروجیکٹر سے اسکرین تک کا فاصلہ شامل ہے۔ اسکرین پر فلم دیکھتے ہوئے ہم اس بات سے بے خبر ہوتے ہیں کہ فلم کا پہلا مظاہرہ پروجیکٹر کے سامنے چھوٹے شیشے پر ہو چکا ہے۔

رخ کرتے ہیں قدیم مصر کا جہاں ایک بادشاہ نے خواب دیکھا کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور اناج کی سات بالیں ہری ہیں اور دوسری سات سوکھی۔

یہ پیغمبر حضرت یوسفؑ کی حیاتِ مبارک سے وابستہ مصر کا تاریخ ساز دور ہے۔ حضرت یوسفؑ نے خواب کی تعبیر بتائی،

"تم مسلسل سات برس کھیتی کرو گے۔ استعمال کے علاوہ سب کی سب بالیں محفوظ کر دو۔ اس کے بعد سات برس سختی کے آئیں گے جن میں کوئی فصل نہ ہو گی — اس وقت یہ محفوظ غلّہ تمہارے کھانے کے کام آئے گا۔"

بادشاہ کے خواب کا مظاہرہ بیداری کے 14 سالوں پر محیط ہے — بالفاظ دیگر 14 سال کی اسپیس ایک خواب میں سمٹ گئی۔

مثالوں سے واضح ہے کہ احسن الخالقین اللہ نے نوعِ آدم کو صلاحیت عطا فرمائی ہے کہ وہ فاصلے کی پابندی سے آزاد ہو سکتا ہے۔ یہ جنت میں بابا آدمؑ کو عطا کی گئی صلاحیت کا عکس ہے۔

بیداری میں بھی اس صلاحیت کا ادراک ہوتا ہے لیکن یقین سے دوری کی وجہ سے توجہ اس جانب نہیں جاتی۔ مثلاً کراچی سے لاہور جانے کا خیال آنا۔ خیال کا پہلا مظاہرہ ذہن پر ہوتا ہے اور ساتھ ہی ہلکا عکس بنتا ہے لیکن ہم اس عکس سے فوراً توجہ ہٹا کر خیال میں معنی پہناتے ہیں یعنی فاصلے شامل کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر کراچی سے لاہور کس روز جانا ہے۔ بس کا ٹکٹ ہو، ٹرین کا یا ہوائی جہاز کا۔ اگر خیال آتے ہی ذہن میں بننے والے عکس کی گہرائی میں اتریں تو لاہور کو اس طرح دیکھ لیں گے جیسے بیداری میں دیکھتے ہیں — ہمارے اور لاہور کے درمیان فاصلے کی نفی ہو جائے گی۔

ایک شخص نے بابا تاج الدین ناگپوریؒ سے عرض کیا کہ میں اجمیر شریف جانا چاہتا ہوں۔

فرمایا، "اجمیر یہیں ہے، کہاں جاتا ہے!"

اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ وہ ماحول سے بے خبر ہو گیا اور خود کو اجمیر کی سیر کرتے دیکھا۔ کچھ دیر بعد بابا تاج الدینؒ نے اپنا ہاتھ ہٹایا تو اس

نے خود کو دوبارہ خدمت میں موجود پایا۔

باباتاج الدینؒ نے تصرف کے ذریعے سائل کی نظر میں وہ زاویہ پیدا کر دیا جو کم سے کم وقت میں اجمیر پہنچنے کے لئے درکار تھا۔ اس نے اجمیر کی سیر اسی طرح کی جیسے جسمانی طور پر گیا ہو۔

مادی اور خواب کے جسم کو اطلاعات فراہم کرنے والا سورس ایک ہے لہٰذا دونوں میں ربط اسی سورس کی وجہ سے ہے۔ خواب کے نقوش کا تاثر مادی جسم پر مرتب ہوتا ہے اور بیداری کی کیفیات خواب میں مختلف نقوش کی صورت میں دکھائی دیتی ہیں۔

مثال: خواب میں ہم کسی دوسری جگہ یا شہر میں موجود ہیں۔ مٹی کا جسم جس کمرے میں سو رہا ہے، وہاں بجلی چلی جائے اور پنکھا رک جائے تو آنکھ کھل جاتی ہے۔ نیند کی حالت میں کیسے علم ہوا کہ پنکھا رک گیا ہے اور حبس ہو گیا ہے جب کہ ہم خواب دیکھنے میں مشغول تھے؟

خواب میں کسی چیز سے ڈر لگے یا کیڑا کاٹ لے تو ہم گھبرا کر جاگتے ہیں ــــ جسم پسینے میں میں شرابور ہوتا ہے اور دل کی دھڑکن تیز ہوتی ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے ــــ؟ خواب میں دیکھے گئے واقعہ کا مادی جسم پر اثر کیسے ہوا جب کہ بظاہر مادی جسم کی شمولیت نہیں ہوتی ــــ؟

مثالیں متوجہ کرتی ہیں کہ جسم خواب کا ہو یا بیداری کا، اس کی اصل (سورس) کہیں اور ہے جہاں سے حرکت اور توانائی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

روحانی بزرگوں کے کئی واقعات ہیں جن میں انہوں نے فاصلے سے آزاد سفر کیا اور سفر کے اثرات مٹی کے جسم پر بھی ظاہر ہوئے۔

محترم عظیمی صاحب فرماتے ہیں،

"رات کے وقت میں مرشد کریم قلندر باباؒ کی کمر دبا رہا تھا۔ پسلیوں کے اوپر جب ہاتھ پڑا تو حضور بابا صاحبؒ کو تکلیف محسوس ہوئی۔ کُرتا اٹھا کر دیکھا تو تقریباً چار پانچ انچ کا زخم تھا۔ میں یہ دیکھ کر بے قرار ہو گیا اور پوچھا کہ یہ کیسا زخم ہے؟ فرمایا، 'میں ایک درّہ سے گزر رہا تھا، جگہ کم تھی، پہاڑ کی نوک سے یہ زخم آ گیا۔' چوں کہ رات کافی گزر چکی تھی، تقریباً بارہ بجے تھے اس لئے میں دوا نہ لا سکا۔ انہوں نے مجھے پریشان دیکھا تو فرمایا۔ 'کوئی بات نہیں، صبح مرہم پٹی ہو جائے گی، آپ نے کاہے کا غم کیا ہے؟' صبح جب میں نے کُرتا اٹھا کر دیکھا تو زخم کا نشان تک ان کے جسم پر نہیں تھا۔"

عظیمی

روغن گلوسبز

پُرسکون نیند لاتا ہے

سر کے جملہ امراض اور

ہائی بلڈ پریشر میں مفید ہے

چاند کی کرنیں جذب کر کے تیار کیا جاتا ہے

فوزیہ طاہر

زرد پتھر

اب تک تین ساڑھے تین فٹ زمین کھودی جاچکی تھی۔ ابا جان اور پھوپھا تھک جاتے تو چچا باری پر لگ جاتے۔ تیسرے دن چچا اکیلے کھدائی میں مصروف تھے کہ بے ساختہ نعرہ سنائی دیا— الٰہی خیر!

یہ اس زمانے کی بات ہے جب ہمارا خاندان ہجرت کر کے کراچی آیا جہاں اور نگی ٹاؤن سے کوئی 15 میل دور چھوٹے قصبے میں سکونت اختیار کی۔ اس وقت میری عمر 13 سال تھی، دو بہنیں ننھی اور بے بی مجھ سے دو سال چھوٹی تھیں۔ جس گھر میں ہم آباد ہوئے، اس کی تین منزلیں تھیں۔ نچلا حصہ ہمارے پاس تھا، دوسری منزل پر چچا بال بچوں کے ساتھ رہتے تھے اور تیسری منزل پر پھوپھی پھوپھا نے سکونت اختیار کی۔

کمروں کی ترتیب عجیب تھی۔ ہر کمرے میں سے دوسرے کمرے کا دروازہ نکلتا تھا جیسے ریل گاڑی کے ڈبّے ہوں۔ گھر پرانی طرز کا بنا ہوا تھا لیکن ہمارے لئے غنیمت تھا کہ سر چھپانے کے لئے جگہ تو ملی۔ چچازاد میرا ہم عمر تھا۔ پھوپھو کی اولاد نہیں تھی، وہ ہم بچوں سے محبت کرتی تھیں۔ ہمارے چھوٹے کنبے میں بڑا اتفاق تھا۔ اکثر رات کا کھانا سب ایک دستر خوان پر کھاتے تھے۔

ابتدا میں بوسیدہ گھر سے خاصا ڈر محسوس ہوا، خاص طور پر آخری کمرے سے جو اب تک بند تھا۔ دروازے پر زنگ آلود بڑا تالا ہزار جتن کے بعد بھی کھل نہ سکا۔ بچے دروازے کی درزوں سے جھانکنے کی کوشش کرتے تو کچھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ چچی کا مشورہ تھا کہ کمرے کو بند رکھا جائے، یقیناً اندر جن بھوتوں کا بسیرا ہے جو نہیں چاہتے کہ آرام میں خلل واقع ہو۔ سب نے ان کی بات سنی اَن سنی کر دی۔

بدھ کا روز تھا۔ سب چائے پی رہے تھے کہ ڈاکیا خط لے کر آیا جو مجھے پڑھنے کے لئے کہا گیا۔ خط کی تحریر اجنبی تھی۔ لکھا تھا،

محترم انکل،

آپ کو راز کی بات بتانا چاہتا ہوں کہ یہ مکان

جس میں آج کل آپ رہ رہے ہیں، کبھی ہم یہاں آباد تھے۔ پہلی منزل کے آخری کمرے میں خزانہ ہے۔ فوراً زمین کھودیں اور گاگروں میں بھرے ہوئے زیورات نکال لیں۔

آپ کا خیرخواہ

موہن

خط کیا تھا، اچھی بھلی لاٹری تھی۔ سب کے منہ حیرت اور خوشی سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔

پھپھو نے ماہرانہ رائے دیتے ہوئے کہا، ہر کام میں اللہ کی مصلحت ہوتی ہے جب ہی تو اتنا بھاری تالا لگایا ہوا ہے۔ چچی نے آسمان کی جانب ہاتھ اٹھا کر دعائیہ انداز میں کہا، اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمارے دن پھیر دیئے۔ پھوپھا تالا توڑنے کے طریقے بتانے لگے۔ کوشش تھی کہ تالا بھلے نہ ٹوٹے، دروازہ اکھاڑ کر کھدائی شروع کی جائے۔

ابا جان نے چھوٹے بڑے سب کو سختی سے تاکید کی کہ اس بات کو راز میں رکھا جائے ورنہ خزانے کے کئی امیدوار آجائیں گے۔ امی جان کا اصرار تھا کہ کھدائی کا کام گھر کے مرد کریں تو بہتر ہے۔ اگرچہ یہ مشقت طلب تھا لیکن دولت کی خوشی میں سب نے حامی بھرلی۔

طے یہ ہوا کہ کھدائی آدھی رات کو کی جائے اور صبح سویرے تک جاری رہے تاکہ محلے والوں کو خبر نہ ہو۔ یہ سن کر ننھی نے بزرگوں کی طرح مشورہ دیتے ہوئے کہا، دن کے وقت کھدائی کریں تاکہ پتہ نہ چلے کہ آواز کہاں سے آرہی ہے۔

پھوپھا بولے، ارے واقعی، رات کی تاریکی میں آواز دور تک جاتی ہے — دوپہر میں کھدائی کی جائے اور وہ بھی دو تین گھنٹے کے لئے۔

اگلے دن مزدور کو بلوایا گیا اور کمرے کا دروازہ یہ کہہ کر نکلوادیا گیا کہ نیا دروازہ لگانا چاہتے ہیں۔ اندر گھپ اندھیرا تھا۔ سب لیمپ کی روشنی میں داخل ہوئے، فرش جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا تھا۔ ہم بچے دہلیز پر کھڑے رہے۔

کمرے سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ سب سے پہلے بجلی بحال کی گئی پھر نیا دروازہ خرید کر لگایا گیا تاکہ کھدائی کے بعد کمرا بند رکھا جائے۔ رات کے اندھیرے میں کدالیں خریدی گئیں اور بوریوں میں لپیٹ کر لائی گئیں۔

چچا کی کریانے کی دکان تھی جس سے ان کی گزر بسر ہوتی تھی۔ پھوپھا ریٹائرمنٹ کے دن گزار رہے تھے، پنشن سے گھر چل رہا تھا۔ میرے والد صاحب کی کپڑے کی کھڈیاں تھیں۔ متوسط طبقے میں ہمارا شمار ہوتا تھا اس لئے سب کی خواہش تھی

کہ جلد از جلد خزانہ ہاتھ آئے اور زندگی کے باقی دن بہتر طور پر گزار سکیں۔

کمرے کے عین وسط میں چوکور نشان لگایا گیا تاکہ گھر کی بنیادوں پر اثر نہ پڑے۔ بچوں کی ڈیوٹی میں یہ شامل تھا کہ مٹی تسلوں میں بھر کر کمرے کی دیواروں کے ساتھ ساتھ پھینکتے جائیں۔ امی اور چچی کھانا پکانے میں مصروف ہوگئیں اور بڑی پھپھو ہاتھ میں تسبیح لے کر کمرے کی دہلیز پر پیڑھی پر بیٹھ گئیں۔

زمین سخت تھی۔ گرمیوں کے دن تھے، پنکھا نہیں لگایا جا سکتا تھا ورنہ ساری مٹی اڑ کر سر میں پڑتی۔ پھوپھا پچاس کے لگ بھگ تھے، جلد ہانپنے لگے۔ ننھی بھاگ کر گئی اور بنا کہے پانی لائی۔

ایک ایک فٹ زمین کھودی جا چکی تھی، مزید کھدائی کی ضرورت تھی۔ سب کے کان دروازے پر لگے رہتے تھے کہ بن بلایا مہمان یا اڑوس پڑوس سے ہی کوئی نہ آجائے۔ مجھے بے بی کی طرف سے دھڑکا لگا تھا کہ اپنے بھولپن میں امام صاحب کو کچھ بتا نہ دے۔ خیال آیا کہ ابا سے کہوں کہ کچھ دن بے بی کو سپارہ پڑھنے نہ بھیجیں لیکن پھر چپ رہا کہ ابا جان بارہا سختی سے تاکید کر چکے تھے کہ بات راز میں رکھی جائے۔

پہلا دن کھدائی میں گزرا، دوسرا دن پھر تیسرا دن — اب تک تین ساڑھے تین فٹ زمین کھودی جا چکی تھی۔ ابا جان اور پھوپھا تھک کر بیٹھ جاتے تو چچا باری پر لگ جاتے۔ تیسرے دن تو حد ہوگئی۔ چچا اکیلے کھدائی میں مصروف تھے کہ بے ساختہ ایک نعرہ سنائی دیا — الٰہی خیر!

سب کمرے میں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ چچا کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو رہا ہے۔ زبان سے الفاظ صحیح طور پر ادا نہیں ہو رہے۔ ہاتھ کے اشارے سے زمین کی طرف توجہ مبذول کروائی۔

امی جان نے زمین میں دھنسے ہوئے پیتل کے ٹکڑے کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا، ارے واقعی! یہ تو پیتل کی گاگر معلوم ہو رہی ہے۔

سہ پہر ہونے کو تھی۔ مزید کھدائی کا کام روک دیا گیا۔ کچھ دیر تینوں بڑے کھسر پھسر کرتے رہے اور پھر اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

آج کل ہم بچوں کی گفتگو کا موضوع بھی آخری کمرا اور خزانہ تھا۔ بے بی نے رازداری سے سب کو بتایا، بھیا! پھپھو، پھوپھا سے کہہ رہی تھیں کہ ہم اپنا حصہ لے کر حج کرنے جائیں گے۔ چچا زاد نے

کندھے اچکا کر کہا، میرے ابو کہہ رہے تھے کہ خزانے سے ہمیں رقم کا جو حصہ ملے گا، اس سے پلازہ بنائیں گے۔ ننھی ناک سکیڑتے ہوئے بولی، اگر میرے ابا نے تمہارے ابو کو حصہ نہ دیا تو؟

چچا زاد نے ننھی کو چڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا، پھر ہم مقدمہ کریں گے، ابو نے اپنے وکیل دوست سے بات کر رکھی ہے۔

سب اپنی اپنی شیخیاں بگھار رہے تھے۔

جس گھڑی کا انتظار تھا، وہ آن پہنچی۔ پھپھو کی انگلیاں تسبیح کے دانوں پر مزید تیزی سے پھرنے لگیں۔ میرے دل میں انجانا خوف بار بار سر اٹھا رہا تھا کہ اگر دولت کا بٹوارا دیانت داری سے نہ ہوا تو؟ پھوپھا چوں کہ نسبت اور عمر میں بڑے تھے، وہ گاگر نکالنے میں پہل کرنا چاہتے تھے۔

اللہ کا نام لے کر کدال سے بھرپور ضرب لگائی تو کدال سمیت پیچھے کی جانب کمر کے بل جا گرے، پیتل کا چار انچ کا ٹکڑا پھوپھی کی پیڑھی کے قریب گرا۔ ہائے ہائے یہ کیا؟ پھپھو اچھل کر ایک طرف ہو گئیں۔

ابا جان اور چچا نے پھوپھا کو سنبھالا۔ ان کی کمر بری طرح چھل گئی تھی۔ ہم جس کو پیتل کی گاگر سمجھ رہے تھے، وہ دھات کا ٹکڑا تھا۔

سب کی ہمت جواب دے گئی۔

اس روز سب نے بے دلی سے کھدائی کی۔

چچا نے کئی دن سے دکان نہیں کھولی تھی، وہ دکان پر گئے۔ وہاں پر بھی دل نہ لگا۔ شام کو گھر لوٹے تو کچھ پُر امید دکھائی دیئے۔ ابا جان کے ساتھ جانے کیا کھسر پھسر کی کہ یک دم ابا جان کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔

ہوا کیا ہے بھائی؟ امی نے چچا جان سے پوچھا۔

بھابی! میں نے ایک عامل سے مشورہ کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ فلاں فلاں کے نام پر چار بکرے لے آؤ تو خزانہ جلد ہاتھ آجائے گا۔ بھابی، ہمیں اس عامل سے کیا، ہمارا مقصد تو صدقہ اتارنا ہے۔

پھوپھا نے ہاں میں ہاں ملائی۔ آخر کار چار بکرے اللہ کے نام پر گھر کے قریب یتیم خانے میں دیئے گئے۔ اگلے دن سب کھدائی کے کام پر جت گئے۔ صدقہ اتارنے کے بعد ایک بار پھر سب کی امید بندھ گئی کہ اب خزانہ نکلا ہی نکلا۔

امی نے آیتِ کریمہ پڑھنے کے لئے مجھے مسجد سے گٹھلیاں لینے بھیجا۔ بے بی ضد کر کے ساتھ گئی۔ امام صاحب کو بتایا کہ گھر میں رزق کی برکت کے لئے آیتِ کریمہ پڑھنا چاہتے ہیں۔ چچی جان

اور امی جان کے ساتھ ساتھ پھپھو نے بھی آیتِ کریمہ کا ورد شروع کر دیا۔ ننھی اور بے بی سر پر دوپٹہ رکھ کر بیٹھ گئیں۔

چند دنوں میں کمرا کنواں دکھائی دینے لگا۔ عین وسط میں بھاری پتھر دھنسا ہوا تھا جس کے باعث مزید کھدائی میں مشکل پیش آ رہی تھی۔

یک دم باہر کا دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز سنائی دی۔ سب کدالیں چھوڑ کر صحن میں آ بیٹھے اور کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ ابا جان نے دروازہ کھولا تو سامنے امام صاحب تھے۔

امام صاحب۔۔۔ آپ! آیئے آیئے! آپ کے ہاتھ کی تکلیف اب کیسی ہے؟

ان کو دس سال سے ایگزیما تھا۔ کبھی ہاتھوں پر خارش اس قدر بڑھ جاتی کہ زخم بن جاتے۔

انہوں نے کہا، ڈاکٹروں کے پاس اس درد کا علاج نہیں۔ پانی کے استعمال سے گریز کی وجہ سے وضو کے لئے تیمّم کرتا ہوں۔ بھئی، وہ جگہ ہمیں بھی دکھاؤ۔ بے بی بتا رہی تھی کہ۔۔۔

امام صاحب نے بات مکمل نہ کی تھی کہ ابا سمجھ گئے کہ بات باہر نکل چکی ہے، بے بی پول کھول چکی ہے۔ انہوں نے امام صاحب جیسے پرہیزگار شخص کو حقیقت بتانے میں عافیت سمجھی۔

کمرے میں لے کر گئے لیکن وہاں یہ دیکھ کر سب دم بخود رہ گئے کہ زمین میں دھنسے ہوئے پتھر سے چشمہ ابل رہا تھا۔ پتھر کا رنگ زردی مائل تھا اس لئے پانی پیلا تھا۔

الحمدللہ! ابلتا چشمہ دیکھ کر امام صاحب نے بے اختیار کہا۔ چچا نیچے اتر گئے اور ہاتھوں کی اوک (چلّو) بنا کر پانی میرے ہاتھوں پر ڈالنے لگے۔ پانی اس قدر ٹھنڈا تھا کہ جسم میں سرد لہر دوڑ گئی۔ انہوں نے پانی کی اوک امام صاحب پر بھی ڈالی لیکن فوراً ہاتھ روک لیا کہ ایگزیما کی وجہ سے ان کو پانی کے استعمال سے گریز کے لئے کہا گیا تھا۔

اس سے قبل کہ وہ معذرت کرتے یا امام صاحب ناراضی کا اظہار کرتے، امام صاحب کے چہرے پر خوش گواری محسوس ہوئی۔ وہ اپنے ہاتھوں کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگے اور کہا، عجیب بات ہے، پہلے پانی چھوتے ہی ہاتھوں میں جلن بڑھ جایا کرتی تھی لیکن اس پانی سے ہاتھوں کی جلن کم ہو گئی ہے۔ یہ معجزہ ہے۔ پانی میں یقیناً شفا کی تاثیر ہے۔

انہوں نے بار بار ہاتھوں پر پانی ڈلوایا۔ کچھ دیر میں پانی کی سطح دو فٹ سے اونچی ہو گئی۔ اگرچہ اب خزانے کی امید بے کار تھی۔ سوچا کیا تھا اور

ہو کیا گیا۔ سب کمرے سے باہر آ گئے۔

امام صاحب بار بار آسمان کی طرف دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے۔ کبھی ہاتھوں کے خشک زخموں کو دیکھتے، کبھی بے بی کا ماتھا چومتے۔

پھوپھا بولے، اتنے دن کی محنت اکارت گئی۔ ٹھنڈے پانی کے کنوئیں سے ہم کیا کریں گے۔ کھودی زمین، نکلا پتھر وہ بھی زرد۔

ایسا مت کہو بیٹا! یہ زرد پتھر کوہِ نور سے زیادہ قیمتی ہے۔ اس پانی کے اندر صحت کا خزانہ ہے۔

یہ امام صاحب کی آواز تھی۔

انہوں نے شفایابی کا قصہ نہ جانے کس کس کو سنایا پھر اس سے استفادہ کرنے والوں کا ہجوم ہو گیا۔ بعض حضرات نے پتھر کی بھاری قیمت لگائی لیکن ابا جان نہ مانے اور خدمتِ خلق کے لئے کنوئیں کا پانی مفت فراہم کیا۔ خارش اور ایگزیما کے مریض شفایاب ہوتے تو نذرانے پیش کرنا چاہتے لیکن ابا جان انکار کر دیتے۔

پھر یاد نہیں کہ ہمارے حالات کس طرح بہتر ہونے لگے۔ رزق میں برکت ہوتی گئی۔ چچا کی کریانے کی دکان مارکیٹ میں بدل گئی۔ ہماری کھڈیوں کا بنا ہوا کپڑا پورے ملک میں مشہور ہو گیا، ہم نے رفتہ رفتہ ٹیکسٹائل مل لگالی۔ پھوپھا اور پھپھو کو اللہ نے حج کی سعادت نصیب کی۔ دونوں نے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی۔ ہمیں کام کی وجہ سے لاہور منتقل ہونا پڑا، چچا پہلے ہی یہاں آ چکے تھے۔ منتقلی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ پرانے گھر میں آنے والے مریضوں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی تھی کہ کئی کئی دن پانی حاصل کرنے کی باری نہیں آتی تھی۔

ابا جان نے جاتے ہوئے کنوئیں کی دیکھ بھال کا ذمہ امام صاحب کو سونپ دیا تھا۔

کچھ عرصے بعد امام صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ موہن کے والد نے تحریری طور پر معذرت کی تھی کہ ان کے بیٹے نے شرارتاً خزانے کے بارے میں لکھا تھا۔

ابا جان یہ بات سن کر دھیمے سے مسکرا دیئے اور بولے، اللہ جو کرتا ہے، بہتر کرتا ہے۔

انہوں نے خدمتِ خلق سے سرشار ہو کر لوگوں کو پانی تک مفت رسائی دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس جذبے کو قبول فرمایا۔ بڑی تعداد میں لوگ آتے، پانی سے ایگزیما کا علاج کرتے اور اللہ تعالیٰ شفا عطا فرماتے۔ ہم نے اس واقعہ سے سیکھا کہ زندگی پیسوں سے نہیں، خدمتِ خلق سے بدلتی ہے۔

زاہدہ تبسم

زندہ غار

کھلے آسمان کے نیچے رہنے والے آدمی کے لئے غار تاریک نگر ہے مگر غار میں بسنے والے حیوانات اور پرندوں کے لئے اندر کا اندھیرا روشن ہے۔

محققین کا ایک گروپ تلاش میں تھا کہ

ا۔ آدمی کتنے دن ایک گوشے میں تنہائی اور خاموشی میں وقت گزار سکتا ہے؟

۲۔ اس کے احساسات کیا ہوں گے جب اس کے ذہن سے وقت کا احساس نکل جائے؟

۳۔ لوگوں اور دنیا سے عدم رابطے کے جسمانی اور نفسیاتی صحت پر کیا اثرات ہوں گے؟

تحقیق میں نفسیات اور غاروں کے علوم کے ماہرین بھی شامل تھے۔ انہوں نے ایک ہسپانوی خاتون کوہ پیما کی مدد لی۔ عمر 48 سال تھی۔ وہ نومبر 2021ء کو 70 میٹر (229.6 فٹ) گہرے غار میں تنہا رہنے گئیں۔ اب اپریل 2023ء میں واپسی ہوئی ہے تو وہ 50 برس کی ہو گئی ہیں۔

خاتون کوہ پیما انسانی رابطے کے بغیر 500 دن غار میں رہیں۔ باہر کے واقعات کا انہیں علم نہیں تھا۔ محققین کی ٹیم نے بھی رابطہ نہیں کیا۔ غار میں رہائش کے دوران ورزش، مصوری اور اونی ٹوپیاں بنانا ان کے مشاغل تھے۔ اس دوران 60 کتابوں کا مطالعہ کیا اور تقریباً ہزار لیٹر پانی پیا۔ غار سے باہر آنے کے بعد اپنے تجربات کو بے مثال اور بہترین قرار دیا۔ اب ان کے تجربات کو تحقیقی نقطۂ نظر سے دیکھا جا رہا ہے۔

غاروں کا مطالعہ کہفیات* اور غاروں کے علوم کے ماہر ماہرِ کہفیات* کہلاتے ہیں۔

غاروں کے مطالعے سے زمانے اور ادوار سے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ غار کے فرش اور دیواروں سے اس بات کے شواہد ملتے ہیں کہ

---

* کہفیات (Speleology) * ماہرِ کہفیات (Speleologist)

زمین پر آکر درختوں کے بعد آدمی کا دوسرا گھر اور پناہ گاہ غار تھی جہاں وہ موسم کی سختیوں سے بچا اور آگ جلانا سیکھی۔ عبادت کے لئے بھی غاروں کی اہمیت تھی۔ ان میں سکون تھا۔

غار کی تاریخی حیثیت کے ساتھ ساتھ اس کا علمی پہلو بھی دلچسپ ہے۔ تحقیقات کے مطابق غاروں کی چھت، دیواروں اور فرش پر محفوظ مختلف تہذیبوں کے نمونوں سے آدمی علوم کے کئی شعبوں سے متعارف ہوا جیسے تعمیرات کے قدیم اصول، جیالوجی، ماحولیاتی نظام، پتھروں کی تراش خراش اور دیواروں پر مصوری وغیرہ۔

غاروں کی بناوٹ اور ان کا استعمال ہر خطے میں مختلف نظر آتا ہے۔ ایشیائی غاروں میں مصوری اور پتھروں سے مجسمہ سازی وغیرہ کے نمونے ملتے ہیں جب کہ یورپ کے غار مضبوط حصار اور حفاظتی مقامات کے طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔

غار کیا ہیں اور کیسے بنتے ہیں—؟

زمین میں قدرتی کھوہ یا گڑھا جس میں اتنی جگہ ہو کہ ایک آدمی داخل ہو سکے، غار کہلاتا ہے۔ غار دراصل زیر زمین خلا ہے جو موسمی اثرات کی وجہ سے گہری زمین میں بنتا ہے۔ محقق غار کی زیادہ سے زیادہ گہرائی تقریباً تین ہزار میٹر تک معلوم کر سکے ہیں۔ زیادہ گہرے غار اوپر موجود چٹانوں کے وزن سے دب جاتے ہیں۔

غار کی تخلیق کا عمل ہزاروں سال پر مشتمل ہے۔ یہ ایک کمرے یا بہت سے کمروں پر مشتمل ہو سکتے ہیں۔ ان میں وسیع راہ داریوں کے جال ہوتے ہیں۔ بڑے غاروں کے نیچے جھیل، دریا اور آبشاریں بہتی ہیں۔ غار زمین کی تخلیق کے بعد تخلیق نہیں ہوئے۔ زمین کے اندر غاروں کی اسپیس یا خلا پہلے سے موجود ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ نمایاں ہو کر غار بن جاتا ہے۔

ماہرین غار بننے کا میکانزم یہ بتاتے ہیں کہ زمین کی سب سے اوپر کی سطح قشرِ ارض* کہلاتی ہے۔ اس میں معدنیات، تیل کے کنوئیں، پہاڑ، وادیاں اور غار وغیرہ موجود ہیں۔ زیر زمین پانی، زمین کی ساخت کی تشکیل کے علاوہ غاروں کی تخلیق میں بھی بنیادی کردار ادا کرتا ہے اور زمین کے درجۂ حرارت کو متوازن رکھتا ہے۔

زمین پر آہستہ آہستہ ایسی سلوٹیں پڑتی ہیں

* قشرِ ارض (Crust)

جنہیں ہم پہاڑ کہتے ہیں۔ ان کے ساتھ قشرِ ارض میں چھوٹے چھوٹے شگاف بنتے ہیں جن میں سے پانی گزرتا ہے اور چونے کے پتھر* کی چٹانوں کو توڑنے پھوڑنے کا عمل جاری رکھتا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ اتنے بڑے ہو جاتے ہیں کہ ان میں رینگ کر داخل ہوا جا سکتا ہے۔ یہی سوراخ غار* کہلاتے ہیں۔ چٹانوں کے کٹاؤ اور نالیاں* بننے کے بعد غار کے خدوخال نمایاں ہوتے ہیں۔

غور طلب ہے کہ چونے کے پتھر کی چٹانیں سخت ہوتی ہیں۔ خالص پانی اس پر اثرانداز نہیں ہوتا۔ کاربونک ایسڈ (تیزاب) سے یہ چٹانیں بآسانی گھل جاتی ہیں۔ یہ تیزاب بارش کے پانی اور ہوا کے ملاپ سے قدرتی طور پر بنتا ہے پھر زمین میں چند فٹ تک رِستا ہے یہاں تک کہ زیر زمین چونے کے پتھروں تک پہنچ جاتا ہے۔

غاروں کے اندر آبی راستے بنتے ہیں۔ اکثر غار زمین کی گہرائی میں پھیلتے ہیں اور نالیوں کے ذریعے آپس میں ملے ہوتے ہیں۔ ایک غار سے دوسرے غار میں جانے کا راستہ بھی نالیوں کے ذریعے ہے۔ نالیوں میں کیلشیم کاربونیٹ کے بنے ہوئے ستون پائے جاتے ہیں۔

غاروں کی تشکیل میں پانی کا کردار اہم ہے۔ پانی آسمان سے زمین (اسکرین) میں داخل ہوتا ہے تو قسم قسم کی تخلیقات ظاہر ہوتی ہیں۔ آسمان کی طرح زمین بھی تخلیقات کا مربوط پروگرام ہے۔ اس پروگرام میں زمین پر راستوں کا بننا، جھیلوں، دریاؤں، سمندروں، پہاڑوں اور غاروں کی تخلیق شامل ہے۔

جون 2023ء کے ”آج کی بات“ میں لکھا ہے،

”تمام تخلیقات پانی سے سیراب ہوتی ہیں۔ ان کا اجتماعی شعور ایک ہے۔ یہ سب جس زمین پر ظاہر ہوتی ہیں، وہ بھی ایک ہے مگر پانی میں موجود تخلیقی فارمولوں اور زمین کے اندر متفرق ڈائیوں کی وجہ سے ہر تخلیق منفرد نظر آتی ہے۔ عرض یہ کرنا ہے کہ زمین کو آسمانی دنیا کا شعور حاصل ہے اس لئے وہ آسمان سے نازل ہونے والی اشیا کو قبول کرتی ہے یعنی سماوات اور زمین کا باطنی شعور ایک ہے۔“

زمین کے اندر کئی اقسام کے غار ظاہر ہوتے

---

* چونے کے پتھر (لائم اسٹون) * غار (چونے کے پتھر کے علاوہ گرینائیٹ، جپسم اور ڈونومائیٹ کی چٹانوں میں بھی غار بنتے ہیں) * نالیاں (Gallories)

ہیں۔ اندر موجود پانی جب چٹانوں کو ہزاروں سال تک نم رکھتا ہے تو اس سے ظاہر ہونے والے خلا کو تحلیلی غار* کہا جاتا ہے۔ ساحل کے قریب چٹانیں ہوا اور لہروں سے ٹوٹتی ہیں تو ان میں ظاہر ہونے والے خلا سے سمندری غار بنتے ہیں۔ کراچی کی ایک ساحلی پٹی پیراڈائز پوائنٹ پر ایسا ایک غار تھا لیکن اب وہ نہیں رہا۔ پہاڑ کی چوٹیوں پر ہوا ٹکرانے سے ہوائی غار تشکیل پاتے ہیں۔ جب دریا گلیشیروں کی برف کو پگھلاتے ہیں تو برفانی غار تخلیق ہوتے ہیں۔ ایسا غار جس کا حجم مسلسل بڑھ رہا ہو اور پانی اس کے ایک سرے سے داخل ہو کر دوسرے سرے سے نکل رہا ہو، وہ زندہ غار کہلاتا ہے۔ ایسا غار جس کی نشوونما رک جائے اور ساخت بھر بھری ہو کر گرد بننے لگے تو یہ مردہ غار ہے۔ قدرتی غاروں کے علاوہ آدمی کے بنائے گئے غار بھی ہیں جو تجارتی اور کان کنی کے مقاصد کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

غار ایک پوری زندگی ہے۔

غار کا اپنا ماحولیاتی نظام ہے۔

باہر رہنے والوں کے لئے غار تاریک نگر ہے۔ سورج سے منعکس ہونے والی شعاعیں نہ پہنچنے کے سبب یہاں سبز پودے نہیں ہوتے البتہ غار کے داخلی راستے میں کچھ سبز پودے اگ آتے ہیں۔ غار کے اندر فنجائی کی کئی اقسام پائی جاتی ہیں۔ یہاں عام طور پر وہ حیوانات بسیرا کرتے ہیں جن کے لئے رات دن* ہے جیسے الّو، چمگادڑ وغیرہ۔ کچھ حیوانات سرمائی نیند کے لئے غار میں جاتے ہیں۔ ابابیل اور چمگادڑیں بڑی تعداد میں یہاں نظر آتی ہیں لیکن غذا کی تلاش کے لئے انہیں غار سے باہر جانا پڑتا ہے۔ کئی قسم کے جھینگر، پرندے، چھپکلیاں، مکڑیاں، پینگوئن، بڑے چوہے وغیرہ مہمان کے طور پر غار کے مکین بنتے ہیں۔ غار کے مکمل تاریک حصے میں رہنے والے اکثر حیوانات کا رنگ زردی مائل سفید ہوتا ہے۔ یہ غذا غار میں تلاش کرتے ہیں۔

عام طور پر کسی ماحولیاتی نظام میں غذا کا اولین ذریعہ سبز پودے پھر حیوانات اور خوردبینی جاندار ہوتے ہیں۔ باہر کی دنیا کے مقابلے میں غار کے اندر خوراک میں تنوع کم ہے۔ غار میں سبزہ نہ ہونے کی وجہ سے نامیاتی مرکبات اور جانوروں

---

* تحلیلی غار (Solutions Cave) * رات میں متحرک حیوانات (Nocturnal)

کا فضلہ بطور غذا استعمال ہوتا ہے۔

ابابیل ایک خاص لعاب سے سمندری کائی اور پروں کو ملا کر غار کے کونوں میں گھونسلا بناتی ہے ۔ ایسے تین چار گھونسلوں سے ایک پیالہ سوپ بنتا ہے جو چینی باشندوں کی ہزاروں سال سے مقبول غذا ہے۔ غار سے جانوروں کا فضلہ نکال کر بطور کھاد بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

غاروں میں امراض کا علاج بھی ہوتا ہے۔ یہ شعبہ Speleotherapy کہلاتا ہے ۔ مثلاً دمہ کے علاج کے لئے غار کی فضا صاف اور پولن سے پاک ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں غار میں صحت بخش لہریں دور کرتی ہیں اور اس قدرتی گھر میں رہنے والوں کی نگاہ تیز ہوتی ہے۔

غار سیاحتی مقام بھی ہے۔ بعض ممالک میں غاروں کی سیر اور سیاحوں کی سہولت کے لئے اندر راہ داریاں بنائی گئی ہیں اور روشنی کا انتظام بھی کیا گیا ہے۔ امریکا میں کئی غار نیشنل پارک کا درجہ رکھتے ہیں۔

آج بھی اسپین میں ہزاروں خانہ بدوش غاروں میں رہتے ہیں۔ انہوں نے اسکول، عبادت گاہیں اور بازار سب اندر بنائے ہیں۔ کئی ایشیائی ممالک میں عبادت گاہیں غاروں میں واقع ہیں جہاں بڑی تعداد میں زائرین جاتے ہیں۔ پاکستان میں صوبہ خیبر پختونخوا کے ضلع مردان کے غاروں کا سلسلہ کشمیر تک پھیلا ہوا ہے۔ صوبہ بلوچستان میں برنائی کے قریب ایک طویل غار ہے جس کے داخلی راستے پر تالاب ہے۔

سعودی عرب کے شہر مدینہ منورہ کے شمال میں ''حراۃ خیبر'' میں ''ام جرسان'' نامی غار عرب دنیا کا طویل ترین غار ہے ۔ اس میں کئی داخلی راستے، سرنگیں اور خندقیں ہیں۔

غاروں کا اندرونی ماحول ، مناظر اور ان کی ساخت ہمیں ایک مختلف دنیا کا احساس دلاتے ہیں۔ ایسی دنیا جو بہت حد تک سورج کی روشنی سے دور ہے — آوازیں اور سورج کی روشنی کم سے کم ہونے سے سکون کا احساس ہوتا ہے اور یکسوئی قائم ہو جاتی ہے۔

غاروں کے حوالے سے مختلف شعبوں خاص کر ارضیات، حیاتیات اور تاریخ میں تحقیق کی جا رہی ہے۔ اس کی تاریکی، خاموشی اور شفا بخش اثرات پر بھی تجربات جاری ہیں۔

رات کی روشنی

شعوری زندگی میں سورج سے منعکس ہوکر آنے والی روشنی کا عمل دخل ہے۔ آسان الفاظ میں اسے دن کی روشنی کہا جاسکتا ہے۔ اسی طرح لاشعوری حواس کی بیداری میں سورج سے منعکس شدہ روشنی کے مغلوب ہونے کی بہت اہمیت ہے۔ دن کی روشنی ان حواس کو غالب کرتی ہے جن میں خلا زیادہ ہوتا ہے جب کہ رات کی روشنی سے وہ حواس غالب ہوتے ہیں جن میں خلا نہیں ہے یعنی وقت اور فاصلے کا احساس تقریباً ناپید ہے۔ غار کی زندگی رات کی روشنی سے مانوس کرتی ہے۔

مکہ مکرمہ کے قریب واقع پہاڑ جبلِ نور میں ایک غار جہاں خاتم النبیین حضرت محمدؐ پر پہلی وحی نازل ہوئی، غارِ حرا ہے۔ غار کا رخ ایسا ہے کہ سورج کی روشنی اندر نہیں جاتی پھر بھی یہ روشن اور ہوادار ہے۔ رسول کریمؐ نے طویل عرصہ اس غار میں عبادت کی۔ غار کے داخلی راستے کی سمت شمالی ہے۔ یہاں سے خانہ کعبہ کا براہ راست نظارہ ممکن ہے۔ غار کی قدرتی بناوٹ ایسی ہے کہ عبادت گزار کا رخ خود بخود خانہ کعبہ کی طرف ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم کی سورۃ الکھف میں اصحابِ کہف کا تفصیلی ذکر ہے۔ یہ وہ اصحاب تھے جنہوں نے ظالم بادشاہ کے ظلم سے بچنے کے لئے شہر سے دور پہاڑوں میں واقع ایک بڑے اور گہرے غار میں پناہ لی اور اللہ کے حکم سے سینکڑوں سال گہری نیند سوتے رہے۔ وقت اور موسم نے ان کے جسم اور لباس میں تغیر کا عمل انتہائی کم کر دیا۔ غار کا رخ اس طرح تھا کہ دھوپ اس پر نہیں پڑتی تھی۔ اندر موجود اجسام غار میں رہ کر دن کی روشنی سے دور رہے البتہ وہ نیند کے دوران کروٹیں بدلتے رہے۔

قارئین! تلاش کیجئے کہ دن کی روشنی اور رات کی روشنی کیا ہے —؟ نیز غار کے ماحول کی، دھوپ سے دوری میں کیا حکمت ہے؟ جواب لکھ کر ”ماہنامہ قلندر شعور“ کو بھیج دیجئے۔

عرفانہ شہزاد

کِس نے سنا

”آدمی اپنی مرضی سے کسی کو پانچ ہزار روپے دیتا ہے اور خوش ہوتا ہے لیکن اگر سو روپے بھی کھو جائیں یا چوری ہوجائیں تو پریشان ہوجاتا ہے کیوں کہ اس میں اس کی مرضی شامل نہیں تھی۔“

ایک روز راہ نما نے فرمایا، مال و دولت اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے استغنا پیدا ہوتا ہے۔

ان کی بات سن کر میں نے خود سے کہا، تم اس وقت سچی پیروکار بن سکتی ہو جب لالچ سے آزاد ہوجاؤ۔ کہاوت مشہور ہے،

مایا تیرے تین نام

پرسو، پرسا، پرس رام

آدمی مایا (دولت) کو خود سے زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ دولت آنے سے معاشرے میں حیثیت بدل جاتی ہے۔ اب لوگوں میں پرسو کے حقیر نام سے مشہور شخص پرسا کہلاتا ہے اور جب اس کا شمار امرا میں ہونے لگے تو وہ پرس رام بننے کے فریب میں مبتلا ہو کر سمجھتا ہے کہ عزت دولت سے ملتی ہے۔ نظامِ قدرت میں سب برابر ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے،

”تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو۔“

(اٰلِ عمرٰن : ۹۲)

نیکی سے شر رخصت ہوجاتا ہے۔ مال کو فتنہ اس لئے کہا گیا ہے کہ آدمی بقا کے لئے مال پر بھروسا کرتا ہے۔ مال کی ایک شکل اولاد ہے۔

دنیا میں سب سے قیمتی متاع اللہ اور مخلوق کا رشتہ ہے۔ اللہ پیدا کرتا ہے اور زندگی کو قائم رکھنے کے لئے وسائل عطا کرتا ہے۔ وسائل پیدا ہوتے اور ختم ہوتے ہیں لیکن — وسائل تخلیق کرنے والی ذات دائمی ہے۔

ایک خداترس خاتون کے شوہر کی فیکٹری بند ہوگئی۔ وہ اکثر روتے ہوئے غربت سے پناہ مانگتی تھیں۔ راہ نما نے ان کے لئے پیغام بھجوایا،

”جب یہ خیال آئے کہ میں غریب ہوجاؤں

گی تو لاحول پڑھیں۔ یہ شیطانی وسوسہ ہے۔
آج تک کسی شے کی کمی نہیں ہوئی، انشاءاللہ،
آئندہ بھی ضروریات پوری ہوں گی۔"

ہر شخص کو یہ تجربہ ہے کہ نو مہینے ماں کے پیٹ میں غذا فراہم ہونا، پیدائش کے بعد سوا دو سال تک ماں کا سینہ دودھ کا چشمہ بن جانا اور اس کے بعد بھی بچے کے لئے وسائل فراہم ہونا، سب اللہ کی رحمت اور قدرت کا مظاہرہ ہے۔

وسائل سے ذہن ہٹا کر خالق پر بھروسا کرنے سے حواس نورانی ہوتے ہیں، زمین کی چپک سے نکلنا اور کششِ ثقل سے آزاد ہونا آسان ہو جاتا ہے اور سکون کی لہریں تابع ہو جاتی ہیں۔

راہ نما نے اپنے والد کا واقعہ سنایا۔

"ہمارے ابا کے آم کے پیڑ تھے۔ ایک پیڑ
غریبوں کے لئے وقف تھا۔ ہم بچوں سے کہا
گیا تھا کہ اس درخت کا پھل توڑ نہیں سکتے،
زمین پہ گرا ہوا پھل کھا سکتے ہو۔"

جائیداد کے تنازعے میں پیسہ اور رشتہ آمنے سامنے آجاتے ہیں۔ سائلین جب ان کے پاس ایسے معاملات لے کر آتے ہیں تو راہ نما رشتہ بچانے کو ترجیح دینے کی نصیحت فرماتے ہیں۔

ایک نشست میں انہوں نے اپنا واقعہ سنایا کہ جب حساب کتاب کے معاملے میں تعلق خراب ہونے کی نوبت آئی تو وہ اپنی کپڑے کی دکان کاروبار میں شریک دوست کے حوالے کر کے دوسرے شہر چلے گئے تھے۔

میں نے حیرت سے پوچھا، آپ نے اپنی چیز کیسے کسی کو دے دی —؟

فرمایا، یہ مرشد کریم کا فیض ہے۔

میری شادی کے بعد کی بات ہے کہ کسی نے ایک قطعہ زمین کے بدلے ہمیں رقم ادا کرنی تھی۔ کہا گیا کہ رقم کی ادائیگی جلد کر دی جائے گی لیکن بعد میں حالات مختلف ہو گئے اور تعلق خراب ہونے کی نوبت آگئی۔

راہ نما نے ہمیں اس معاملے سے دستبردار ہونے کا کہا۔ ہمیں رقم کی اشد ضرورت تھی لیکن ان کی بات سن کر نہ جانے کیوں مجھ پہ سرشاری طاری ہو گئی۔ ملاقات سے واپسی پر ذہن نے ملکیت کے تصور سے آزادی کو سمجھنے کی کوشش کی۔ ان کے حکم کی تعمیل سے روح کے ساتھ جسم میں بھی لطافت کا احساس ہوا جیسے قفس سے رہائی پر کوئی پرندہ فضا میں پرواز کرتے ہوئے آزادی سے سرشار ہوتا ہے۔

راہ نما وراثت کی تقسیم کے سلسلے میں لوگوں سے فرماتے ہیں کہ اپنی زندگی میں وصیت کر دو ورنہ قبر میں پریشان ہوگے۔

ہمارے پڑوس میں ایک صاحب قریب المرگ تھے۔ ان کے گھر سے ایک خاتون آئیں اور بتایا کہ ہمارے ابو کو کوئی مارتا ہے لیکن دکھائی نہیں دیتا۔ ہم کیا کریں؟

میں راہ نما کی کتاب "روحانی علاج" لے کر ان کے گھر گئی۔ مریض بستر پر تھا۔ پاؤں سوج کر کُپا ہوگئے تھے اور جسم پر نیل کے نشانات تھے۔ وہ ہر تھوڑی دیر بعد روتے ہوئے کہتے تھے کہ مجھے کوئی مارتا ہے، مجھے کوئی مارتا ہے۔

اس وقت خیال آیا کہ ضرور ان صاحب سے وراثت میں حق تلفی ہوئی ہے جس کی وجہ سے نزع کا عالم طویل ہے۔ بات درست نکلی۔

وراثت کا مسئلہ حل ہوگیا۔ سرہانے بیٹھ کر کئی مرتبہ سورہ یٰسٓ پڑھی گئی ۔۔۔ اس کے بعد وہ خاموش ہوگئے اور مستقل سو گئے۔

خاتم النبیین حضرت محمدؐ نے محنت کرنے والے کو اللہ کا دوست فرمایا ہے۔ جو شخص اپنے ذریعۂ معاش کے ساتھ انصاف نہیں کرتا، اس کے رزق میں حلال کی تاثیر مغلوب ہو جاتی ہے۔

ہر شعبے میں حلال و حرام کی تمیز ضروری ہے۔ اساتذہ قوم کے نوجوانوں کی ذہنی آبیاری نہ کریں تو یہ منصب سے خیانت ہے۔ جو لوگ دفاتر میں اوقاتِ کار کی پابندی نہیں کرتے، وہ رزق میں آمیزش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر علاج کے شعبے کو محض معاش کا ذریعہ سمجھ لے تو اب وہ مسیحا نہیں۔ جج کا فیصلہ انصاف پر مبنی نہ ہو اور وکیل سچ کو جھوٹ کے لبادے میں چھپائے تو یہ اللہ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔

اگر ہر فرد خود کو ضمیر کے آگے جواب دہ سمجھے تو معاشرے میں اچھے عمل کا بیج بو سکتا ہے۔

میرے مرحوم والد صاحب کو رشوت رد کرنے کے نتیجے میں کبھی کبھار سنگین نتائج کی دھمکیاں ملتی تھیں۔ وہ گھر میں خبر نہ ہونے دیتے، پریشانی ٹلنے کے بعد بتاتے تھے۔

مجھے بچپن میں ایسے خواب بھی نظر آتے تھے جن میں کہا جاتا تھا کہ ابا کے نام کا صدقہ کرو۔

والدہ صدقہ کیا کرتی تھیں۔

والد صاحب فرماتے تھے کہ میں موت کے لئے ہر وقت تیار ہوں، ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں۔ میں مؤکل کی طرف سے چائے پینا بھی رشوت

سمجھتا ہوں اور قانونی مشورہ دینا میرے نزدیک خدمتِ خلق ہے۔

رزق کا تعلق معاش سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ آدمی حرکت میں رہے۔

ایک موقع پر راہ نما نے فرمایا،

''آدمی اپنی مرضی سے کسی کو پانچ ہزار روپے دیتا ہے اور خوش ہوتا ہے لیکن اگر سو روپے بھی کھو جائیں یا چوری ہو جائیں تو پریشان ہو جاتا ہے کیوں کہ اِس میں اُس کی مرضی شامل نہیں تھی۔''

انہوں نے یہ قانون بھی سمجھایا،

''جس طرح اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مال میں اضافہ ہوتا ہے، اسی طرح فضول خرچی اور بندوں کے حقوق پورے نہ کرنے سے کٹوتی بھی ہوتی ہے۔ ہر آدمی کے دونوں کاندھوں پر ایک ایک فرشتہ مقرر ہے۔ ایک فرشتہ وہ اعمال لکھتا ہے جو اللہ اور اللہ کے محبوب آخری نبیؐ کی تعلیم کے خلاف ہیں اور دوسرا فرشتہ وہ اعمال لکھتا ہے جو اللہ اور رسول کریمؐ کی تعلیم کے مطابق ہیں۔''

بڑوں کی دیکھا دیکھی آج بچہ بھی سوچتا ہے کہ پیسے ہوں گے تو اپنی مرضی کی چیز خرید کر کھاؤں گا۔ یہ خیال نہیں آتا کہ اللہ کھلاتا ہے۔

میں نے ایک 10 سالہ بچے سے اس کی سب سے بڑی خواہش پوچھی۔ اس نے کہا، آنٹی! میں ہر وقت پیسہ کمانے کے طریقے سوچتا ہوں۔

راہ نما چھوٹے بڑے بچوں کو سورۃ الاخلاص کی تلاوت فرما کر صفتِ صمدیت کی طرف متوجہ کرتے ہیں تا کہ توکل کا نقش غالب آجائے۔

ایک صاحبِ ثروت خاتون بتاتی ہیں کہ ان کی والدہ کو بسترِ مرگ پر عرصہ گزر گیا۔ اس دوران میں خاندان کے کئی صحت مند اور جوان لوگ دنیا سے رخصت ہوگئے لیکن اماں کی حالت جوں کی توں تھی۔ ایک صاحبِ دانا نے تجویز کیا کہ ان کی جائیداد، زیورات اور سرمایہ انہیں دکھایا جائے۔ گھر والوں نے ایسا ہی کیا۔ یہ دیکھ کر کہ میری سب چیزیں موجود ہیں، اطمینان ہوا اور روح قفسِ عنصری چھوڑ گئی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

ہر فرد پر دوسرے فرد کے حقوق ہیں۔ فرائض پورے کرنے والے افراد میں استغنا کی صفت غالب آجاتی ہے جب کہ فرائض سے غفلت برتنے سے آدمی زمین کا بوجھ بن جاتا ہے۔

Canderel
with Stevia
Naturally Sweet
Zero Calorie Sweetener
Available in Tablets, Sachets and Jars
SEARLE

New Homes For Sale in Multan & Lahore

For More Details : +92 345 4121 910

گھی روٹی

لکھنؤ کی ایک پہچان نوابوں کے پکوان ہیں۔ مرزا جعفر حسین نے کتاب ”لکھنؤ کا دسترخوان“ میں اپنے تجربات اور معتبر ذرائع سے حاصل شدہ معلومات کی روشنی میں نوابی کھانوں کی تراکیب اور کھانے کے طور طریق دلچسپ انداز میں بیان کئے ہیں۔ کھانوں کی تراکیب تقریباً 100 سال یا اس سے پرانی ہیں۔”ماہنامہ قلندر شعور“ کے قارئین کے لئے یہ مضمون بطور تحفہ قسط وار شائع کیا جارہا ہے۔

لکھنؤ والوں کے خمیر میں نفاست و نزاکت کی خصوصیات شامل تھیں۔ سب پاک وصاف رہنے کے خوگر تھے۔ غذاؤں کے بارے میں اور زیادہ حساس تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ عملہ باورچی خانے کی صفائی کا پورا پورا خیال رکھتا تھا۔ ہر صبح طلوعِ آفتاب کے بعد فرش سے کثافت و گندگی جو ایک روز قبل کے استعمال سے پیدا ہوتی، دور ہو جاتی تھی اور برتن باسن[1] دھل کر اپنے اپنے مقام پر مقام پر سلیقے سے مسجّل[2] کردیے جاتے تھے۔

اسی وقت باورچی خانوں میں ناشتے کی تیاری شروع ہو جاتی تھی ۔ چولہوں کو اعلیٰ درجے کی سفید و چکنی مٹی سے زمین کے برابر ایک فٹ اونچا بنایا جاتا تھا۔ جلانے کے لئے صرف ڈھاک[3] کے گولے استعمال ہوتے تھے تاکہ ضرورت کے وقت آنچ آسانی سے کم و بیش کی جاسکے اور کوئلے بھی فراہم ہوسکیں۔ یہ کوئلے ان کھانوں کے پکانے میں بھی کار آمد ہوتے تھے جن کو اوپر سے بھی گرمی پہنچانے کی ضرورت ہوتی تھی۔ انگاروں کو چولہے سے نکال کر ایک گڑھے میں جس کا چولہے سے متصل رہنا ضروری تھا، بھر کر ڈھک دیتے تھے تاکہ ہوا کا گزر نہ ہو۔ یہ انگارے راکھ ہونے کی بجائے بجھ کر کوئلے ہو جاتے تھے۔

بڑی پخت[4] کے لئے دیگیں اور پتیلے استعمال ہوتے تھے۔ ان کے لئے اینٹوں کے چولہے عموماً باورچی خانے کے باہر بنتے تھے اور ان میں لکڑیوں کے کُندے[5] جلائے جاتے تھے۔ پکانے کے لئے کسی بھی قد و قامت کے ظرف[6] کو باہر سے مہیا کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ تمام

برتن باسن تانبے کے ہوتے تھے جن پر جلد جلد قلعی[7] کرائی جاتی تھی۔ بدقلعی برتن قطعاً استعمال نہیں ہوتے تھے۔ قدرے قلعی اترے ہوئے برتنوں میں پکایا ہوا کھانا رئیس کی نازک مزاجی برداشت نہیں کرسکتا تھا ـــ اس کو بدمزگی کا احساس ہوتا تھا۔ برتنوں پر قلعی کرانے میں یہ اہتمام رہتا تھا کہ قلعی ہلکی نہ ہو بلکہ اس کی بھاری پرت برتنوں پر آجائے۔ قلعی رانگے[8] سے ہوتی تھی جو رفتہ رفتہ غذاؤں میں شامل ہو کر ختم ہو جاتا تھا۔ معدے میں اس دھات کا اتر جانا صحت کے لئے سودمند سمجھا جاتا تھا۔

تانبے کے برتنوں کے علاوہ بعض ضروری چیزیں مثلاً کڑاہی توا وغیرہ لوہے کی ہوتی تھیں لیکن یہ اشیا اچھے خاص وزن کی ہوتی تھیں۔ توا خصوصیت کے ساتھ خاصا بھاری ہوتا تھا کیوں کہ وزنی توے پر چپاتیاں اور پراٹھے بہت اچھے پکتے ہیں۔ لوہے کے برتنوں پر قلعی کا کوئی سوال نہیں تھا لیکن اس کی صفائی بھی محنت سے ہوتی تھی۔ بالخصوص کباب کی سیخوں کو متعدد بار رگڑ رگڑ کر صاف کیا جاتا تھا۔

غذاؤں میں رنگ، رائحہ اور ذائقہ لانے کے لئے مسالوں کا استعمال اب بھی ہوتا ہے لیکن آج ان مسالوں کو غذاؤں کے مزاج کا لحاظ کئے بغیر کھانوں میں شامل کیا جاتا ہے۔

اس زمانے میں ہر غذا کے لئے مسالوں کی مقدار کا علیحدہ علیحدہ تعین ہوتا تھا البتہ بعض اجزائے ترکیبی کھانے والوں کے مذاق و مزاج کے تحت کم و بیش کردیئے جاتے تھے یا بالکل شاملِ غذا نہیں ہوتے تھے۔ چند اجزا کے علاوہ باقی مسالے مع اپنی معین مقدار کے ہر جگہ رائج تھے اور پسند کئے جاتے تھے۔

مشترک مسالوں میں ہلدی، دھنیا، لہسن اور پیاز عمومیت کے ساتھ ہر غذا میں شامل کئے جاتے تھے۔ قورمہ اور اسی قبیل کی غذاؤں میں ہلدی بھی ممنوع تھی اور اب تک ہے حالاں کہ اصل قورمہ اب معدوم ہے۔ ہر غذا کے تذکرے میں متعلقہ مسالوں کا بھی ذکر آجائے گا۔

اس مقام پر صرف اتنا بیان کردینا کافی ہوگا کہ بعض مسالوں کو، خواہ پسا ہوا ہو یا کٹا ہوا، چھان کر کام میں لایا جاتا تھا کیوں کہ ان کی طبیعت میں بلا کی نفاست تھی۔ ان مسالوں کو تیار کرنے کے لئے ہاون دستے اور اچھی طرح بنی ہوئی صاف ستھری چھوٹی اور بڑی پتھر کی سلیں مع ان کے بٹّوں کے ہمہ وقت مہیا رہتی تھیں۔ جوز جوتری،

لونگ، الائچی پیسنے کے لئے چھوٹی سلیں کام میں آتی تھیں ۔ ان پر دوسرے مسالے نہیں پیسے جاتے تھے۔

ان نرم و نازک مسالوں کے علاوہ بہت سے کھانوں میں زعفران پانی، عرقِ کیوڑہ یا عرقِ گلاب میں حل کرکے چھڑکی جاتی تھی۔ زعفران حل کرنے کے لئے باورچی خانے میں چھوٹی اور بڑی کھرلیں[9] موجود رہتی تھیں۔

ایسی ہی ایک کھرل میں نانا صاحب مرحوم نواب حکیم شفاء الدولہ کے لئے ہر روز علی الصباح بادام کا اوپر کا چھلکا دور کرکے، پانی کی آمیزش سے دودھ تیار کیا جاتا تھا جو وہ نمازِ صبح پڑھتے ہی نوش فرماتے تھے۔ ان کا ایک خدمت گار حسین علی تین چار گھنٹوں میں یہ دودھ تیار کرتا تھا۔ مسالوں کو پیسنے اور کوٹنے کے لئے علیحدہ علیحدہ ہنرمند اور سلیقہ شعار آدمی تعینات رہتے تھے۔

اس مقام پر یہ بیان کردینا بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ ہمارے بزرگ لفظ مسالا کو مصالحہ بولتے اور لکھتے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ یہ لفظ عوام میں کثرتِ استعمال سے "مسالا" بن گیا حالاں کہ اسمِ بامسمیٰ[10] تھا۔

واضح رہے کہ کھانے میں جو اشیا استعمال ہوتی ہیں، ان کا مرکب غذاؤں کے مزاج اور اثرات میں اصلاح واعتدال پیدا کرتا ہے۔

گوشت نیز ترکاریوں سے تیار کردہ غذائیں سب روغنِ زرد یعنی گھی میں پکوائی جاتی تھیں۔ رؤسا و شرفا یہاں تک کہ بالعموم متوسط طبقے کے لوگ کوئی کھانا تیل میں نہیں پکواتے تھے۔ بازار میں چند چیزیں تیل میں پکی ہوئی فروخت ہوتی تھیں جن کو مفلوک الحال لوگ مجبوراً کھاتے تھے۔ عمائدین کے یہاں فیشن کے طور پر سال میں دو تین بار روغنِ تلخ میں دہی بڑے پکوائے جاتے تھے جن کے صرف چند لقمے کھائے جاتے اور ملازموں میں تقسیم کردیئے جاتے تھے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میری کم سِنی میں سرسوں کا تیل موسمِ گرما کی ابتدا میں اپنے ہی مواضعات[11] سے اور ملازمین کی نگرانی میں کولہو سے پلوا کے منگوایا جاتا تھا۔ یہ تیل ایک بڑے ٹِن میں جو عموماً مٹی کے تیل کا خالی اور صاف کیا ہوا پیپا ہوتا تھا، آیا کرتا تھا۔ پھر اس پیپے کو گلِ حکمت[12] کرکے مکان کے کسی پرنالے[13] کے نیچے دفن کردیا جاتا تھا۔ پوری برسات گزر جانے کے بعد موسمِ سرما میں پیپا نکالا جاتا تو اس کے اندر

موجودہ دور کے بہترین گھی کی طرح کا سفید دانے دار جما ہوا تیل نکلتا تھا۔ اتنی محنت اور اتنا طویل وقفہ گزارنے کے بعد بھی اس تیل میں صرف دہی بڑے پکتے جس کے صرف چند لقمے کھائے جاتے تھے۔ ہمارے بزرگوں کا عقیدہ تھا کہ تیل انسان کی صحت کے حق میں بہت مضر چیز ہے۔

روغنِ تلخ کا نام آتے ہی متعدد بیماریوں کے تذکرے شروع ہو جاتے تھے۔ صرف گھی میں پکانا غذاؤں کے لئے مفید اور اہم جزو سمجھا جاتا تھا۔ اس زمانے میں بہت اچھا اور سستا گھی بھی آسانی سے دستیاب ہو جاتا تھا۔

خالص عمدہ گھی میرے عہدِ طفولیت میں فی روپیہ ایک سیر کے نرخ سے بازار میں فروخت ہوتا تھا۔ اس گھی میں عام طور سے سب کھانے پکتے تھے البتہ بلند پایہ شیریں غذاؤں میں اعلیٰ درجے کا گھی جس کو "مسکا" کہتے ہیں، استعمال ہوتا تھا۔ اس کی خوش بو اور رنگ دونوں علامتیں سادہ گھی سے مختلف ہوتی تھیں — یہ گھی رنگ میں مقابلتاً زیادہ سفید ہوتا اور اس کی منجمد سطح پر نمایاں طور سے دانے دانے جمے رہتے تھے۔ خوش بو اتنی دیر پا ہوتی تھی کہ کھانے کے بعد دو تین مرتبہ بیسن سے ہاتھ دھونا پڑتے تھے اور موسمِ سرما میں جو اس کے دستیاب ہونے کا زمانہ تھا، یہ گھی برتن میں اتنا سخت جم جاتا تھا کہ نکالنے میں ہلکے تانبے کے چمچے ٹیڑھے ہو جاتے تھے۔ اس مسکا گھی میں کچھ ایسی خوبی تھی کہ رؤسا اور امرا اسی سے دالیں بگھرواتے تھے اور محلوں کی نفاست و لطافت میں پروان چڑھے بچے بہت شوق سے اس کو کچّا بھی کھالیتے تھے۔

اپنے بچپن کی عادت یاد کر کے آنکھیں آبدیدہ ہو جاتی ہیں۔ میں عربی اسکول میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ مدرسے جاتے وقت انّا میری دونوں جیبوں میں چلغوزے بھر دیتی تھی جو میں دن بھر کھاتا اور دوستوں کو کھلاتا تھا۔ اس زمانے میں چلغوزے* پانچ یا چھ پیسے فی سیر کے حساب سے ملتے تھے۔

اسکول سے واپسی پر نعمت خانے[14] میں محفوظ دن کی بچی ہوئی روٹیوں میں سے دو تین چپاتیاں لے کر مودی خانہ[15] کا رخ کرتا اور جمے ہوئے مسکا گھی پر زور آزمائی کر کے ایک بڑا لوندا[16] ان روٹیوں پر رکھتا پھر اس میں بڑے دانے کی شکر شامل کر کے روٹیوں، گھی اور شکر کا "کریم رول" تیار کر کے کھا جاتا تھا۔ کریم رول اس وقت تک معرضِ وجود میں نہیں آیا تھا اور نہ یہ لفظ مستعمل

---

* اب چلغوزے تقریباً چھ سات ہزار روپے کلو ہیں۔

ہوا تھا لہٰذا میں اس کو ”گھی روٹی“ کہتا تھا۔

ہمارے خاندان میں گھی کے بہ قدرِ ضرورت ہونے کو پرکھنے کا یہ معیار تھا کہ پیالوں میں سالنوں کے اوپر انگلی کی ایک پور کے برابر گھی کا تار ہونا چاہئے۔

~~~~~~~

گوشت پکانے میں پہلے پیاز یا لونگ والائچی کے ساتھ گھی کڑکڑایا جاتا ہے جس کو داغ کرنا کہتے ہیں۔ اس عمل میں اس امر کا لحاظ رکھا جاتا تھا کہ شامل کردہ چیز کا ہر حصہ سرخ ہو جائے اور کسی طرف سیاہی نہ آنے پائے۔ ذرا سا جل جانا بھی غذا کے ذائقے کو متاثر کر دیتا ہے۔ اس طرح داغ کرنے والی ہر چیز کے کونے کونے میں گھی جذب ہو جاتا تھا۔ گھی داغ ہو جانے کے بعد گوشت یا مسالا نمک دے کر بھونا جاتا ہے۔

ہلدی دار مسالے میں دیر تک بو باقی رہتی ہے اس لئے اس کو زیادہ بھوننے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کام میں سب سے زیادہ فکر رہتی تھی کہ مسالا پتیلی کی تہ میں لگنے نہ پائے ورنہ جل جائے گا۔ مسالا اور گوشت اچھی طرح سرخ ہو جانے پر پانی دیا جاتا تھا۔ بھوننے میں چکنائی کی معقول مقدار مسالے اور گوشت میں صَرف ہوتی تھی اور پانی دینے کے بعد باقی ماندہ گھی اوپر نہیں تیرتا تھا۔ اتنا پکانے کے بعد گوشت یا قیمہ کی بساہند[17] ختم ہو جاتی ہے کیوں کہ ان کے کسی حصے میں تری باقی نہیں رہتی — پانی کے سہارے جب گوشت گل جاتا تو اس وقت اس سطح پر چکنائی کی کوئی نمایاں علامت نہیں ہوتی تھی۔

غذاؤں کا خوش رنگ، خوش بو دار اور خوش ذائقہ ہونا ضروری تھا۔ یہ خوبیاں پکانے کے آخری مرحلے میں آتی تھیں۔ تیار شدہ غذا کو، جب گوشت گل جاتا اور سارا پانی جل کر گوشت اور مسالے کی گلتھی رہ جاتی، اس وقت آخری بار بھونا جاتا تھا۔ باورچی محنت سے جلد جلد بھونتے اور پانی کے چھینٹے دیتے جاتے تھے۔ اسی بھوننے میں گوشت اور مسالا گھی چھوڑتے جو سطح پر ابھر آتا اور لعاب کہلاتا تھا۔ اس لعاب میں گوشت اور مسالوں کا ذائقہ پیوست ہوتا تھا۔ اسی منزل میں پسندیدہ رنگ اور گوارہ خوش بو بھی آجاتی تھی۔

یوں تو مسالے اچھی طرح بھن جانے کے بعد خوش بو دار ہو جاتے ہیں لیکن رؤسا کی نفاستِ طبع کے لئے بہت سی غذاؤں میں زعفران، عرقِ گلاب یا عرقِ کیوڑہ کے چھینٹے دیئے جاتے تھے۔

ان تمام تدابیر و لوازمات کے ساتھ جو کھانا پکتا
~~~~~~~

اور دسترخوان پر لگایا جاتا تھا، اس کی وہی تعریف ہوسکتی تھی جو ہمارے آباو اجداد کیا کرتے تھے یعنی کہ کھانا وہی ہے جس کی خوش بو اشتہا پیدا کردے، جس کو دیکھ کر طبیعت کھانے پر بے ساختہ آمادہ ہو اور جس کا ایک لقمہ منہ میں رکھتے ہی دوسرے کے لئے بلاارادہ ہاتھ اٹھ جائے۔

آخر میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ جتنے اقسام کے کھانے پیش کئے جارہے ہیں، ان سب کی اصل نوعیت شاہی زمانے میں معرضِ وجود میں آچکی تھی۔ انتزاعِ[18] سلطنت کے بعد ہمارے رؤسا و عمائدین نے انہیں اصناف میں اپنے مزاج و مذاق کے مطابق ردّوبدل کیا یا کچھ اختراعات فرمائی تھیں۔ یہ لوگ اتنے زیادہ کچلے ہوئے تھے کہ باوجود فارغ البالی کے، اپنی اعلیٰ دماغی صلاحیتوں کو نئی تخلیقات میں استعمال نہیں کرسکے لیکن پرانی چیزوں اور پرانے ذائقوں کو کم سے کم ستّر برس تک کلیجے سے لگایا ہوا تھا۔

(جاری ہے)

نوٹ: تمہید و تعارف کے بعد آئندہ شمارے سے کھانوں کی تراکیب شائع کرنے کا آغاز ہوگا۔

مشکل الفاظ کے معانی

۱۔ برتن باسن (برتن، ظروف)
۲۔ مسجّل (آراستہ، مزین، درست)
۳۔ ڈھاک (درخت جس کے پتّے بڑے اور پھول سرخ رنگ کے ہوتے ہیں)
۴۔ پخت (پکانے کا عمل، پکنے کا فعل)
۵۔ کُندے (لکڑی کا ٹکڑا جس پر قیمہ کوٹتے ہیں)
۶۔ ظرف (برتن، جمع ظروف)
۷۔ قلعی (برتن سفید کرنا، ملمع کاری)
۸۔ رانگے (ایک نرم دھات، عمدہ سیسہ)
۹۔ کھرلیں (مسالا پیسنے کی پتھر کی کونڈی)
۱۰۔ اسمِ بامسمیٰ (جیسا نام، ویسا کام)
۱۱۔ مواضعات (موضع کی جمع، گاؤں)
۱۲۔ گلِ حکمت (مٹی اور کپڑے سے برتن کا ڈھکنا تاکہ بھاپ باہر نہ نکل سکے)
۱۳۔ پرنالے (کوٹھی کی موری، نالی)
۱۴۔ نعمت خانہ (کھانے پینے کا سامان رکھنے کی الماری)
۱۵۔ مودی خانہ (اناج رکھنے کا کمرا)
۱۶۔ لوندا (گھی یا مکھن کا ڈلا)
۱۷۔ بساہند (گوشت یا مچھلی وغیرہ کی بو)
۱۸۔ انتزاع (معزولی، برطرفی)

اظہر حسین

رکاوٹ کیا ہے؟

جس شے میں کثافت کم ہو، اس میں سے دوسری اشیا گزر سکتی ہیں جیسے ہوا کی کثافت بہت کم ہونے کی وجہ سے ہم آسانی سے ہوا میں گھوم پھر سکتے ہیں۔ اگر ہوا کی کثافت زیادہ ہوتی تو ہمارے لئے سانس لینا مشکل ہوجاتا جیسے پانی کے اندر سانس لینے میں دشواری ہوتی ہے۔

سمندر، دریا، ندی یا جوہڑ میں مچھلیوں کا نظارہ کیا جائے تو یہ پانی میں جہاں نظر آتی ہیں، وہاں نہیں ہوتیں۔ جو لوگ تیر سے مچھلی شکار کرتے ہیں، انہیں بتایا جاتا ہے کہ مچھلی جہاں نظر آئے، تیر وہاں نہیں مارنا بلکہ ایک خاص زاویے سے نشانہ لینا تاکہ ہدف پر لگے۔ مچھلی کا پانی میں اُس جگہ نظر آنا جہاں وہ نہیں ہے، روشنی اور نظر کے کئی قوانین کا احاطہ کرتا ہے۔ ان قوانین کو سمجھنے کے لئے مضمون پڑھئے۔

زمین کے گرد فضا محفوظ چھت کی طرح ہے۔ محققین نے فضا کو پانچ پرتوں یا سطحوں میں تقسیم کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ شعاعیں جب زمین کی طرف آتی ہیں تو فضا کی پانچ سطحوں سے گزرتی ہیں۔ کچھ شعاعیں پہلی سطح پر رک جاتی ہیں، باقی گزر کر دوسری سطح تک آتی ہیں۔ آخری سطح تک پہنچتے پہنچتے یہی عمل خود کو دہراتا ہے یعنی کوئی سطح کسی شعاع کے لئے رکاوٹ اور کوئی سطح شعاع کے لئے راستہ بن جاتی ہے۔

تحقیق و تلاش (سائنس) نے فضا کی پہلی اور دوسری سطح کے کچھ حصوں پر مشتمل ایک حصے کو آئنواسفیئر کا نام دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ سطح تاب کار شعاعوں کو آگے بڑھنے سے روکتی ہے۔ زمین سے جانے والی ریڈیو شعاعیں یہاں سے ٹکرا کر زمین کی طرف واپس آتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ریڈیو کی فریکوئنسی جتنی طاقتور ہوتی ہے، اتنی دور تک نشریات پہنچتی ہیں۔ اس کے برعکس ٹیلی ویژن نشریات میں کام کرنے والی لہریں اتنی طاقتور ہیں کہ فضا میں ایک خاص حصے

تک پہنچ جاتی ہیں۔ آج سے کئی دہائیاں پہلے مخصوص فاصلے پر بوسٹر لگائے جاتے تھے تاکہ وہاں سے ٹی وی کی نشریات کے لئے لہریں بھیجی جاسکیں۔ آج یہ کام فضا میں بھیجے گئے مصنوعی سیاروں سے لیا جارہاہے۔

زیر زمین طبقات کی طرح فضا بھی طبقات پر مشتمل ہے اور ہر طبقے کی الگ الگ خصوصیات ہیں۔ تمام طبقات ایک طرف راستے اور دوسری طرف رکاوٹ کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ کسی طبقے سے شعاعیں گزر جاتی ہیں اور کوئی شعاع مخصوص طبقے میں ہی گردش کرتی ہے۔ اس نظام سے جہاں کئی قوانین کا علم ہوتا ہے وہاں یہ جاننے کی بھی ضرورت ہے کہ رکاوٹ کیا ہے؟

رکاوٹ دراصل کسی متحرک شے کے سامنے آنے والی دوسری شے ہے۔ مثال کے طور پر ٹینس بال کو فٹ بال پر ماریں تو فٹ بال تھوڑی ہلتی ہے اور ٹینس بال واپس آجاتی ہے لیکن فٹ بال کو ٹینس بال پر ماریں تو ٹینس بال دور تک جاتی ہے۔ اسی طرح گالف بال کو ٹینس بال پر ماریں تو ٹینس بال پر خاص اثر نہیں ہوتا لیکن ٹینس بال کو گالف بال پر ماریں تو گالف بال دور

تک جاتی ہے۔ اگر رکاوٹ میں قوت زیادہ ہے تو وہ چلتی ہوئی شے کو روک سکتی ہے اور اگر شے میں لچک ہے تو اسے واپس کرسکتی ہے۔ اسی طرح گاڑی دیوار سے ٹکرائے تو اس کی شکل بے شکل ہوجاتی ہے لیکن جب گیند دیوار سے ٹکراتی ہے تو واپس آجاتی ہے۔

رکاوٹ، لچک اور قوت کا تعلق ہوا سے ہے جو گیند یا کسی شے کے اندر موجود ہے۔ شے اندر موجود ہوا کے زور پر آگے بڑھتی ہے۔ گیند میں ہوا کم ہوجائے تو اس کا آگے بڑھنا محال ہے۔ گاڑی کے ٹائر میں سے ہوا نکل جائے تو گاڑی چاہے جتنی اچھی حالت میں ہو، اس کا چلنا ممکن نہیں جب تک کہ ٹائر ہوا سے نہ بھر جائیں۔

ہوا کو جو نام دیں مگر یہ نکتہ غور طلب ہے کہ ہوا تخلیق ہے اور تخلیق صلاحیت ہے۔ جب اس صلاحیت کی مقدار پوری ہوتی ہے تو یہ راستہ بن جاتی ہے اور جب مقداروں میں کمی بیشی ہوتی

ہے تو یہ رکاوٹ کا عمل انجام دیتی ہے۔

رکاوٹ اور راستے کا قانون ہر شے میں کام کر رہا ہے۔ رکاوٹ ایک طرح سے روشنی کے منعکس ہونے کا عمل ہے جب کہ راستہ، روشنی کا گزر جانا ہے۔ مثال کے طور پر شفاف شیشے سے روشنی کی شعاعیں گزر جاتی ہیں لیکن شیشے کے پیچھے چمک دار مسالا لگا ہو تو وہ شعاعوں کو واپس بھیج دیتا ہے۔ اس شیشے کو ہم آئینہ کہتے ہیں۔ کچھ شیشوں کے صرف ایک طرف نظر آتا ہے جیسے tinted glass۔ یہ گاڑی میں لگا ہو تو سڑک پر موجود لوگوں کے لئے گاڑی کے اندر کا منظر اوجھل ہو جاتا ہے مگر اندر بیٹھے لوگ باہر کا منظر دیکھتے ہیں۔ جو لوگ باہر کھڑے ہیں، اگر وہ شیشے میں خود کو دیکھیں تو انہیں اپنی شکل نظر آتی ہے۔ یہ روشنی کے پلٹنے کا عمل ہے۔ روشنی کے گزرنے کے عمل کو انعطاف (Refraction) کہتے ہیں۔ اگر روشنی پلٹ آئے جیسے آئینہ دیکھتے وقت ہوتا ہے تو یہ عمل انعکاس (Reflection) کہلاتا ہے۔ جب یہ دونوں عمل تھوڑے تھوڑے وقفے سے ہوں جیسے کچھ روشنی گزر گئی اور کچھ پلٹ گئی تو یہ جزوی انعکاس و انعطاف ہوئے۔

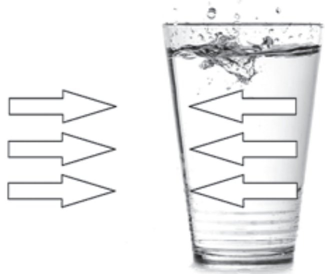

روشنی دیوار میں سے نہیں گزرتی البتہ اس کی ایک قسم گاما شعاعوں کو روکنے کے لئے کنکریٹ کی موٹی دیوار بنائی جاتی ہے۔ عام دیوار میں سے گاما شعاعیں آر پار ہو جاتی ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ گاما شعاعیں کچھ خاص قسم کے ستاروں میں بنتی ہیں لیکن ستارے اتنی دور ہوتے ہیں کہ ان کی شعاعوں سے ہمیں نقصان نہیں پہنچتا۔

تجربہ: صفحے پر گلاس کے پیچھے تیر کے نشان ہیں۔ خالی گلاس تیر کے نشان کے سامنے رکھئے اور گلاس میں سے تیر کا نشان دیکھئے۔ پھر گلاس میں پانی بھریئے اور پانی بھرے گلاس میں سے تیروں کو دیکھئے۔ دی گئی تصویر کے مطابق یہ تیر الٹی سمت میں نظر آئیں گے۔

سمجھنے کے لئے مزید اصول پڑھئے۔

جتنی جگہ ایک کلو روئی لیتی ہے، اتنی جگہ پر کئی کلو لوہا آ جاتا ہے۔ غور سے پڑھئے کہ اس کا

مطلب کیا ہے۔ لوہے کی مقدار کم جگہ گھیرتی ہے اور روئی کی مقدار زیادہ جگہ گھیرتی ہے۔ شے کی جو مقدار خاص رقبے میں سما جائے، اسے شے کی کثافت کہتے ہیں۔ مثلاً ایک کلو روئی کے لئے ساڑھے چار مربع میٹر سے زائد جگہ چاہئے جب کہ ایک کلو لوہا ہتھیلی پر رکھا جاسکتا ہے۔ اسے کہا جائے گا کہ لوہے کی کثافت زیادہ اور روئی کی کم ہے۔ اس طرح مختلف اشیا کی کثافت مختلف ہوتی ہے۔

گلاس میں ہوا زیادہ اور پانی کم آتا ہے۔ اس طرح پانی کی کثافت ہوا سے زیادہ ہوئی۔ جس شے میں کثافت کم ہو، اس میں سے دوسری اشیا گزر سکتی ہیں جیسے ہوا کی کثافت بہت کم ہونے کی وجہ سے ہم آسانی سے ہوا میں گھوم پھر سکتے ہیں۔ اگر ہوا کی کثافت زیادہ ہوتی تو ہمارے لئے سانس لینا مشکل ہو جاتا جیسے پانی کے اندر سانس لینے میں دشواری ہوتی ہے۔

مختلف کثافتوں کے مابین دوسری اشیا کی طرح روشنی کا بھی گزر ہوتا ہے جیسے پانی کے اندر سے روشنی باہر آتی ہے اور باہر سے اندر جاتی ہے مگر کم کثافت سے زیادہ کثافت میں جانے کی وجہ سے روشنی کی سمت میں معمولی تبدیلی ہو جاتی ہے اور شعاع ایک طرف مڑ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب باہر سے پانی کے اندر دیکھیں تو مچھلی وہاں نظر نہیں آتی جہاں موجود ہے۔

مچھیرے اس قانون کو صدیوں سے جانتے ہیں اور مچھلی کا شکار کرتے ہیں۔ پرندے بھی اسی قانون کے تحت اونچائی سے پانی میں غوطہ لگا کر مچھلی پکڑتے ہیں۔

کائنات میں لہریں ایک جگہ سے دوسری جگہ اطلاعات لے کر آتی جاتی ہیں جس کی وجہ سے انعکاس و انعطاف کا قانون سامنے آتا ہے۔ یہ قوانین خیالات، توہمات، طرز فکر اور کیفیات میں بھی کام کرتے ہیں۔

حضرت بابا تاج الدین ناگپوریؒ کا یہ قول تفکر طلب ہے جس میں شعاعوں کے انعکاس اور انعطاف کا قانون بھی بیان ہوا ہے،

> ”ہمارے شعور میں یہ بات یا تو بالکل نہیں آتی یا بہت کم آتی ہے کہ تفکر کے ذریعے ستاروں، ذرّوں اور تمام مخلوق سے ہمارا تبادلۂ خیال ہوتا رہتا ہے۔ ان کی انا یعنی تفکر کی لہریں ہمیں بہت کچھ دیتی ہیں اور ہم سے بہت کچھ لیتی بھی ہیں۔ تمام کائنات اس قسم کے تبادلۂ خیال کا

ایک خاندان ہے۔ مخلوق میں فرشتے اور جنات ہمارے لئے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ تفکر کے اعتبار سے ہمارے زیادہ قریب ہیں اور تبادلۂ خیال کے لحاظ سے ہم سے زیادہ مانوس ہیں۔"

انعکاس اور انعطاف کے قوانین عام زندگی میں پیش آتے رہتے ہیں جیسے کسی کی بات سن کر ہم کہتے ہیں کہ تم نے میرے دل کی بات کہہ دی یا میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔

تجزیہ کریں تو دو افراد کو خیال موصول ہوا، ایک نے خیال قبول کرکے بات کی یعنی خیال ذہن میں پوری طرح داخل ہوگیا۔ یہ انعطاف کا قانون ہوا۔ جس شخص نے خیال کی قبولیت میں کمی دکھائی، وہ جزوی انعطاف کی وجہ سے اس کی تعمیل نہ کرسکا۔ اگر فرد خیالات کی لہروں کے انعکاس و انعطاف سے واقف ہوجائے تو قریب دور لوگوں تک اپنے خیالات پہنچاسکتا ہے۔

یاد رکھنے کی بات ہے کہ ہر لہر میں انعکاس کی صلاحیت ایک جیسی نہیں۔ اسی طرح اطلاعات کی لہریں ہیں۔ اطلاعات کی جو لہریں واہمہ بنتی ہیں، وہ واہمہ کی حالت میں آگے نہیں جاتیں، واہمہ اپنی اسٹیج پر رہتا ہے، اس میں سے وہ لہریں آگے جاتی ہیں جن کو خیال کہا جاتا ہے۔ خیال کی لہریں بھی اپنی اسٹیج پر رہ جاتی ہیں اور ان میں سے تصور کی لہریں نکل کر آگے بڑھتی ہیں اور مظہر بن جاتی ہیں — واہمہ، خیال اور تصور کی لہریں شعاعوں کی اقسام ہیں۔

حاصلِ کلام: رکاوٹ خود سے کوئی شے نہیں بلکہ کسی شے کے دوسری شے میں سے گزرنے کی صلاحیت میں کمی کو رکاوٹ کہتے ہیں۔ پانی سے روشنی گزر گئی لیکن دیوار سے نہ گزر سکی جب کہ گاما شعاعیں دیوار میں سے گزر جاتی ہیں یعنی عام روشنی صلاحیت میں کمی کی وجہ سے دیوار کے پار نہیں جاسکی۔ روحانی بزرگوں نے اس قانون کو صلاحیتوں میں اضافے کی نسبت سے بیان کیا ہے۔ مختصر یہ کہ کائنات میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ جتنی صلاحیت ہوتی ہے، اسی مناسبت سے فرد علم کے دروازوں سے گزرتا ہے۔

خاتم النبیینؐ کا فرمان ہے،

"علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔"

خلاصہ یہ ہے کہ اگر علم نہ ہو تو بندہ کائنات سے واقف نہیں ہوتا۔

Manufacturer of
Embroided Lace & Fabrics

PRIME LACE INDUSTRIES (PVT.) LTD.

C-8, S.I.T.E, Hyderabad
Tel: 022-3880107 Fax: 022-3880381

آسیہ روبی

لگائی بجھائی

اس حربے میں ناکامی کے بعد چیلوں کو علم ہوگیا کہ جب وہ ساس بہو کو ایک دوسرے کے خلاف نہ بھڑکا سکے تو یہاں رہتے ہوئے کسی بھی جگہ کامیابی کا امکان نہیں۔

وہ گہری سوچ میں گم مجمع کو دیکھ رہا تھا جب کہ ہجوم اس کے بولنے کا منتظر تھا۔

"تنقید نگر کے باسیو! میری بات پر عمل کرنے میں تمہاری بقا ہے۔ ہماری فکر مل جل کر رہنا نہیں سکھاتی۔ یہ تعصب اور نفاق کی علم بردار ہے مگر یہ افکار ایک دوسرے پر آزمانے کے لئے نہیں تھے لیکن تم آپس میں لڑ پڑے۔ ہر وجود سے لہریں نکلتی ہیں۔ نفاق اور مایوسی کی لہروں کا انجام دیکھ لو۔ کھیتی خشک ہو رہی ہے۔ ہر طرف ویرانی ہے۔ اگر ایسا ہوتا رہا تو ہم صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گے۔ یہاں کی آب و ہوا اتنی زہریلی ہو چکی ہے کہ اب تمہیں نئی نگری تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ جاؤ اور زمین پر پھیل جاؤ! جو خوش ہو، اس پر تنقید کرو کہ وہ ناخوش ہو جائے۔ لوگوں کو لگائی بجھائی، خامیاں تلاش کرنے اور عیب جوئی کی طرف راغب کرو۔ جاؤ اور میرے افکار پھیلاؤ! ایک وسیع دنیا اور روشن مستقبل تمہارا منتظر ہے۔"

تنقید نگر کے لوگ آپس میں کینہ رکھتے تھے۔ اب جدائی ہی ان کی شناخت بچا سکتی تھی۔

کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ سب یہی سوال ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے۔

کسی نے کہا، میں پریشان نگر کا رخ کروں گا، وہاں امیر غریب دونوں ہیں مگر سنا ہے کہ ان کا اعتقاد کمزور ہے، سب اداس ہیں۔

ساتھ بیٹھا شخص بولا، خوب! تم جانتے تھے کہ میں وہیں جاؤں گا اسی لئے مقابلے کی ٹھانی۔

پہلے نے کہا، ایسا کرتے ہیں ساتھ چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کون کامیاب ہوتا ہے۔

پریشان نگر — انجان نگر تھا۔ وہاں کی بہترین

سرائے میں قیام کیا۔ کمرا ہوا دار اور صاف تھا مگر وہ عادت سے مجبور ہو کر نقص نکالنے لگے۔ سرائے کے مالک کی کوشش ہوتی کہ مسافروں کا قیام آرام دہ ہو۔ تنقید سے ساکھ متاثر ہونے کا خدشہ تھا۔ نئے مسافروں کی شاندار دعوت کی۔

وہ دسترخوان پر لوازمات دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہوئے۔ چوں کہ خامی نکالے بغیر گزارہ نہ تھا، ناک سکیڑتے ہوئے بولے، رشوت دے رہے ہو کہ ناقص انتظام کا حال کسی سے بیان نہ کریں۔ سرائے کے مالک کی مسکان پھیکی پڑ گئی۔

دوسرا بولا، اب اتنی کوشش کی ہے تو ہم بھی چاہیں گے کہ معاملہ رفع ہو۔ اور کھانا کھانے بیٹھ گئے کہ ایسی دعوت کون چھوڑتا ہے۔

کھانا چٹ کرنے کے بعد کہا، گوشت ٹھیک سے بھنا ہوا نہیں تھا۔ چاول ایک کنی سخت اور روٹی کے کنارے کچے تھے۔ شکر کرو کہ ہمیں بھوک زیادہ لگی تھی ورنہ ___؟

سرائے کے مالک کا چہرہ بجھ گیا۔

صبح سیر پر روانہ ہوئے۔ شہر صاف ستھرا تھا۔ لوگ سادہ تھے، ان میں کچھ مکار بھی دکھائی دیئے۔ مکار لوگ جلدی باتوں میں نہیں آتے البتہ اوصاف ایسے ہوتے ہیں کہ وہ شر کو پھیلانے میں آلۂ کار بن جاتے ہیں۔

شہر میں جگہ جگہ درخت دیکھ کر طبیعت مکدر ہونے لگی۔ بازار میں مزدور کام کر رہے تھے۔ ایک دکان کے باہر ملازم گاڑی سے سامان اتار رہا تھا۔ مالک سر پر کھڑا تھا۔

یہ دونوں دکان دار کے پاس گئے اور کہا، لگتا ہے کہ سامان نازک اور قیمتی ہے اسی لئے آپ تشویش میں مبتلا ہیں۔

جی ہاں! قیمتی برتن ہیں۔ دکان دار نے کہا۔

اچھا پھر تو احتیاط سے سامان اتارنا چاہئے مگر یہ ملازم لاپروا لگتا ہے۔ کون سا اس کی جیب سے پیسے گئے ہیں۔ ملازم جو احتیاط سے ڈبّے اتار رہا تھا، سن کر افسوس ہوا کہ اسے سست کہا جا رہا ہے۔ دل میں ڈر بیٹھ گیا کہ کوئی ڈبّہ گر نہ جائے۔ آخری ڈبّہ اتارتے ہوئے پیر فرش پر پڑی رسی سے الجھا اور وہ لڑکھڑا گیا۔

دکان دار غصے سے بولا، تمہاری ایک مہینے کی اجرت بھی اس نقصان کا ازالہ نہیں کر سکتی۔

تنقید نگر سے آئے پہلے شخص نے چالاکی سے دکان دار کو اکسایا۔ دوسرا شخص ملازم کے پاس گیا اور بولا، لگتا ہے کہ آج اجرت نہیں ملے گی۔ اس طرح دکان دار اور ملازم کو ایک دوسرے

سے بدگمان کر کے وہاں سے چل دیئے۔

پریشان نگر میں آئے تین روز گزرے تھے کہ ایک مکان میں کرائے پر کمرا مل گیا۔ یہ بیوہ عورت کا مکان تھا جو بیٹے کے ساتھ رہتی تھی۔ بیٹا کام چور تھا اور کسی لڑکی کی محبت میں آہیں بھرتا تھا۔ گھر کے ساتھ چھوٹا کھیت تھا۔ ماں چاہتی تھی کہ بیٹا کھیتی باڑی کرے جب کہ بیٹا کھیت بیچ کر کاروبار کرنا چاہتا تھا۔ وہ ماں سے پیسے مانگتا تھا، ماں بیٹے کی عادتوں سے واقف تھی اس لئے پیسے ہاتھ میں دینے سے ہچکچاتی تھی۔

کرائے داروں پر ماں بیٹے کی اَن بن آشکار ہوئی تو وہ خوش ہوگئے کہ بیٹھے بٹھائے کام مل گیا۔ انہوں نے ماں کو اکسایا تو ممتا نے کہا، سوچتی ہوں کہ میرے پاس جو ہے، اسی کا ہے۔ اگر کھیت بیچنے سے اس کی زندگی سنورتی ہے تو یہ اس کا حق ہے۔ میں کھیت قبر میں لے کر جاؤں گی نہ رقم۔ اگر جیتے جی اپنے بچے کی خوشی دیکھ لوں تو کیا حرج ہے۔ آخر سب اسی کو ملنا ہے۔

وہ بولے، ماں جی! آپ کا بیٹا نااہل ہے۔ جو کچھ اس کے حوالے کریں گی، برباد کر دے گا پھر پاس کوڑی نہ ہو گی۔ یہ کامیاب ہو بھی گیا تو اپنی پسند کی لڑکی لا کر آپ کو گھر سے باہر کر دے گا۔ بیوی کے آتے ہی بیٹا ماں کی قربانیاں بھول جاتا ہے۔ انہوں نے حالات کا خوفناک نقشہ کھینچ کر ماں کو پریشان کر دیا اور قائل کرنے میں کامیاب ہوئے کہ اپنی پسند کی دلہن لائیں۔

ماں بیٹا ایک دوسرے سے بدظن کیا ہوئے، گھر سے برکت اٹھ گئی۔ تنقید نگر کے باسیوں نے محلے کے ہر گھر کو خبر کی۔ کوئی ماں کو برا کہتا اور کوئی بیٹے کو۔ بات اتنی بڑھی کہ بیٹا گھر چھوڑ کر چلا گیا اور ماں بستر سے لگ گئی۔

تنقید نگر کے چیلوں کو پریشان نگر میں زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی۔ انہوں نے سوچا کہ ہم یہاں نہ بھی آتے تو فرق نہ پڑتا اس لئے کہ یہ تو پہلے ہی آپس میں لڑتے جھگڑتے، خوفزدہ، مایوس اور غصے سے بھرے ہوئے لوگ ہیں۔

ایک روز ڈھابے پر بیٹھے تھے کہ تین دوستوں کی گفتگو سنی۔ پہلے دوست نے کہا، اس شہر میں بے سکونی بہت ہے۔ میں خوش نگر جا رہا ہوں۔ سنا ہے کہ وہاں سکون بہت ہے۔ کھیتی باڑی ہوتی ہے۔ لوگ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ اختلاف کو احسن طریقے سے دور کرتے ہیں اور وہاں کوئی شخص بھوکا نہیں سوتا۔

دوسرا دوست بولا، بھائی! میں بھی یہاں رہنا

نہیں چاہتا مگر کہیں اور آباد ہونے کے وسائل نہیں۔ تم جاؤ گے تو ملنے آیا کروں گا۔ کہتے ہیں کہ خوش رہنے والوں کے ساتھ رہو تو آدمی پر اچھا اثر ہوتا ہے۔ تیسرے دوست نے دونوں کی ہاں میں ہاں ملائی۔

تنقید نگر کے باسیوں کو اپنا مشن پھیلانے کے لئے نئی نگری مل گئی۔

خوش نگر کے قریب پہنچتے ہی ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں۔ رنگ رنگ پھولوں، چہچہاتے پرندوں اور کھیت کھلیانوں نے استقبال کیا۔ خوش حالی دیکھ کر سینے پر سانپ لوٹنے لگے۔ جیسے ہی شہر کے دروازے پر پہنچے، دربان نے مسکراتے ہوئے خوش آمدید کہا اور عرقِ گلاب چھڑکا۔ انہیں خوش بو پسند نہ آئی اور دربان سے الجھ پڑے۔ دربان نے انہیں ٹھنڈا پانی پیش کیا۔

وہ شہر میں داخل ہوئے۔ شہر کیا تھا، جنت نظیر تھا۔ ہر چہرے پر مسکان تھی۔

تنقید نگر کے باسیوں نے طنزیہ لہجے میں کہا، دیکھتے ہیں کہ خوشی یہاں کتنے دن قائم رہتی ہے۔ ہم مل کر فضا کو بے سکون کر دیں گے۔

دونوں نے سرائے میں قیام کیا۔ کھانا بے حد لذیذ تھا۔ چوں کہ نقص نکالنا تھا اس لئے کبھی کہتے فلاں چیز کم اور فلاں زیادہ ہے۔ دونوں نے چاہا کہ کسی طرح ملازم کو ڈانٹ پڑے لیکن سرائے کے مالک کے ماتھے پر ایک شکن تک نہیں آئی۔ وار خالی گیا۔ دراصل یہاں کے لوگوں نے عہد کیا تھا کہ وہ ناخوشی کو قبول نہیں کریں گے اور ناگوار باتوں کو نظر انداز کریں گے۔

تنقید نگر کے کارندوں نے سوچا کہ صبح بازار کا رخ کریں گے، وہاں کوئی شکار مل جائے گا۔

بازار میں اضطراب نہیں تھا۔ دکان داروں اور خریداروں کے چہروں پر اطمینان تھا۔ ایک دکان کے باہر سے گزرے تو چھناکے سے کچھ ٹوٹنے کی آواز آئی۔ گاہک سے شیشے کی بوتلیں ٹوٹ گئی تھیں جن میں قیمتی محلول تھے۔

یہ ہوئی نا بات! اب ملا ہے موقع۔ دونوں یہ کہہ کر دکان میں داخل ہوئے۔

دکان دار کو نقصان کی فکر نہ تھی۔ وہ فکر مند تھا کہ شیشے کے ٹکڑے گاہک کے ہاتھ میں نہ چبھ گئے ہوں۔ گاہک نے کہا، میری وجہ سے آپ کا نقصان ہو گیا۔ دکان دار بولا، میرے بھائی! ان شیشیوں کی عمر ہی اتنی تھی۔ آپ ملال نہ کریں۔ یہ خوش نگر ہے۔ یہاں سب خوش رہتے ہیں،

آپ کو میرے نقصان کا احساس ہے، میرے لئے یہی کافی ہے۔

ان کی باتیں سن کر دونوں چیلے کچھ نہ کر سکے۔

اگلے روز مشن پر نکلے تو کھیل کے میدان کے پاس سے گزر ہوا۔ انہوں نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا، بچوں کی لڑائی میں بڑے شامل ہو جاتے ہیں، یہاں فساد ہو سکتا ہے، بس تیلی جلانے کی دیر ہے۔

بچے ٹولیوں کی شکل میں کھیل رہے تھے۔ ایک جگہ نو عمر لڑکے پنجہ آزمائی کرتے نظر آئے۔ یہ دونوں بھی تماشائیوں میں شامل ہو گئے۔

ایک چیلے نے دوسرے چیلے کے کان میں کہا، سفید لباس والا لڑکا جو شیلا ہے اور مقابل کو بآسانی مات دے رہا ہے۔ نیلی قمیص والا کمزور ہے۔ آؤ، اس کے ذہن میں وسوسہ ڈالتے ہیں۔

انہوں نے پاس جا کر سرگوشی کی، بیٹا! یہ لڑکا ہوشیاری سے دوسرے ہاتھ کا سہارا لیتا ہے اور جیت جاتا ہے۔ تمہاری سمجھ بوجھ کہاں ہے؟

اس کے دل میں وسوسہ ڈال کر دونوں ایک طرف ہو گئے۔ ہارنے والے بچے کو غصہ آیا، اس نے جیتنے والے کو دھکا دیا۔ جو شیلے بچے سے برداشت نہ ہوا اور ہاتھا پائی شروع ہو گئی۔ دونوں کے ماں باپ کچھ فاصلے پر بیٹھے تھے۔ بچوں کو لڑتا دیکھ کر تیزی سے آئے۔ تنقید نگر کے چیلے خوش تھے کہ اب لڑائی ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا لیکن یہ کیا—! ماں باپ نے ایک دوسرے سے گتھم گتھا بچوں کو الگ کیا اور پیار سے سمجھایا— بیٹا! اللہ تعالیٰ جھگڑا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے— کیا بھائی بھی اپنے بھائی سے لڑتا ہے؟ تم نے دیکھے بغیر کیسے یقین کر لیا کہ وہ بے ایمانی کر رہا ہے؟

بچہ بولا، یہاں پر دو آدمی کھڑے تھے، انہوں نے بتایا کہ اس نے بے ایمانی کی ہے۔

کس نے ایسا کہا؟ بتاؤ ہمیں؟

اس سے پہلے کہ بچہ چیلوں کی طرف اشارہ کرتا، وہ دونوں ایسے غائب ہوئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

بڑوں کی کوشش تھی کہ دونوں بچوں کو اپنی غلطی کا احساس ہو۔ اس میں زیادہ وقت نہیں لگا اور بچے گلے لگ کر دوبارہ شیر و شکر ہو گئے۔

تنقید نگر کے باسی جب سے اس شہر میں آئے تھے، ایک تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ وہ سرائے واپس آئے تو دو خواتین اور ایک صاحب نظر آئے۔

معلوم ہوا کہ ساس، بیٹا اور بہو ہیں۔ ساس بہو کو لڑانے کا انہیں اچھا تجربہ تھا۔ سرائے کے مالک سے کہا کہ وہ چند روز خدمت گار کے طور پر سرائے میں کام کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے بخوشی اجازت دے دی۔

اگلے روز کمرے کی صفائی کرتے ہوئے بہو سے کہا، ساس تم سے ناخوش ہے۔ باہر لوگوں سے کہہ رہی تھی کہ تم پھوہڑ ہو۔ اس کے بیٹے کو غلام بنا کر رکھا ہے۔ دوسرے چیلے نے ساس اور بیٹے کے کان بھرے کہ بہو کہتی ہے کہ ساس ظالم ہے اور بیٹے کو پلو سے باندھ کر رکھا ہے۔ دونوں کو سازش میں کامیابی کا یقین تھا۔

ساس بہو جب اکٹھے بیٹھیں تو بہو نے پوچھا، اماں! کیا آپ کو مجھ سے شکایت ہے؟

نہیں بیٹی! مجھے کوئی شکایت نہیں۔ تم تو بیٹیوں سے بڑھ کر میرا خیال رکھتی ہو۔ اگر تمہیں کوئی شکایت ہے تو بتاؤ۔

نہیں اماں! آپ سے شکایت کیسے ہوسکتی ہے؟ آپ اپنے بچوں کی طرح میرا خیال رکھتی ہیں۔ غلطی کو نظر انداز کر دیتی ہیں۔ آپ کی ڈانٹ مجھے بری نہیں لگتی۔ میری اماں اس سے زیادہ ڈانٹتی تھیں۔ دونوں بے ساختہ ہنس دیں۔

فارمولا

جب تک ہم تکلیف پہنچانے والے کو معاف نہیں کرتے، اس شخص کا خیال ہمارے ساتھ رہتا ہے۔ جب ہم معاف کر دیتے ہیں تو ہم اس کے خیال سے آزاد ہو جاتے ہیں۔

اس حربے میں ناکامی کے بعد تنقید نگر کے چیلوں کو علم ہوگیا کہ جب وہ ساس بہو کو ایک دوسرے کے خلاف نہ بھڑکا سکے تو یہاں رہتے ہوئے کسی بھی جگہ کامیابی کا امکان نہیں۔ یہاں کے مکینوں نے ہر حال میں خوش رہنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ وہ اختلاف کو نظر انداز کر کے اتفاق کو اہمیت دیتے تھے۔

یہاں کوئی کسی کی غیبت سنتا تھا نہ کرتا تھا۔ سب کے دل میں خیر کے جذبات تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ لوگوں کی نظروں میں آتے، یہاں سے نکلنے میں عافیت تھی۔ جس کی خوراک غیبت، فساد، جھوٹ، عیب جوئی اور تنقید ہو، وہ کسی کو خوش کیسے دیکھ سکتا ہے؟ ڈر یہ بھی تھا کہ خوش نگر میں رہتے ہوئے کہیں وہ خود خوشی کے رنگ میں نہ رنگ جائیں۔ سامان باندھا اور ایسی نگری کی تلاش میں نکلے جہاں لگائی بجھائی ہو۔

خوب صورت دنیا

سونے سے پہلے آدمی کے اوپر تین کیفیات وارد ہوتی ہیں۔ پہلی کیفیت پُرسکون ہونا، دوسری کیفیت خمار اور تیسری کیفیت نیند ہے۔ جب کوئی آدمی بیدار رہتے ہوئے مراقبہ کی زندگی کو مشعلِ راہ بناتا ہے تو اس پر یہی تین کیفیات وارد ہوتی ہیں۔ پہلے ہلکی نیند کا غلبہ ہوتا ہے، اس کیفیت کا نام ”غنود“ ہے یعنی سالک نے بیداری کے حواس میں رہتے ہوئے کوئی ایسی چیز دیکھی جو عام آدمی کو کھلی آنکھ سے نظر نہیں آتی۔ نظر اس لئے نہیں آتی کہ دیکھنے میں ایسا پردہ حائل ہو گیا جس پردے نے اس چیز کو بھلا دیا۔

مراقبہ سے شعور کے اندر سکت پیدا ہوتی ہے اور بیداری کے حواس میں بند آنکھوں سے دیکھی ہوئی چیزیں نسبتاً زیادہ یاد رہنے لگتی ہیں مگر ذہن کی رفتار اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ اَن دیکھی چیزوں میں ربط قائم کرنے میں مشکل ہوتی ہے۔ ایک طرف ذہن زمین کی چیز دیکھتا ہے، دوسری طرف آسمان کے مناظر نظر آتے ہیں۔ اس کیفیت کا اصطلاحی نام ”ورود“ ہے۔

جب دیکھی ہوئی چیزیں زیادہ روشن اور واضح ہونے لگتی ہیں تو جو مناظر باطنی آنکھ کے سامنے آتے ہیں، وہ یاد رہتے ہیں لیکن مناظر کا مفہوم ذہن نشین نہیں ہوتا اور دیکھنے کے بعد اپنی عقل سے اس میں معنی پہنانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ معنی صحیح ہوتے ہیں اور غلط بھی۔ اس صلاحیت کا نام ”کشف“ ہے۔ کشف کی صورت یہ ہے کہ آدمی مراقبہ میں جو چیزیں دیکھتا ہے، ان کا مفہوم ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ کشف کی کیفیت مراقبہ کے بغیر بھی عمل میں آسکتی ہے۔

آدمی اگر ارادی یا غیر ارادی طور پر یکسو ہو جائے تو بہت دور پرے کی باتیں دماغ میں آنے لگتی ہیں لیکن اس طرح دماغ کی اسکرین پر مناظر کی عکاسی شعور کے لئے بار بنتی ہے اور سالک اس بار کو برداشت نہیں کرتا۔ عقلی اور شعوری طور پر وہ بے خبر ہو جاتا ہے ـــ رفتہ رفتہ یہ کیفیت عروج پر پہنچ جاتی ہے۔

کشف کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے تو اسی مناسبت سے شعوری سکت بڑھتی ہے۔ نتیجے میں لاشعوری اطلاعات اور تحریکات کو قبول کرتے ہوئے شعور وزن محسوس نہیں کرتا۔ شعور جب اس قابل ہو جاتا ہے کہ لاشعوری تحریکات قبول کرنے میں دباؤ محسوس نہ کرے اور آدمی کے اعصاب بیدار زندگی کی طرح کام کریں تو اس کیفیت کا نام ''مشاہدہ'' ہے۔

مشاہدے سے مراد یہ ہے کہ آدمی زمین پر بیٹھے ہوئے زمین کے اوپر موجود چیزیں دیکھتا ہے، ان چیزوں سے استفادہ کرتا ہے، غذائی ضروریات پوری کرتا ہے اور باطنی طور پر ماورائی دنیاؤں کی سیر کرتا ہے۔

مشاہدے کی کیفیت آدمی کو عالمِ اعراف میں لے جاتی ہے۔ یہ وہ عالم ہے جہاں دنیا کے باسی مرنے کے بعد بستے ہیں۔ وہ دیکھتا ہے کہ عالمِ اعراف اور اِس دنیا میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جس طرح اس دنیا میں کوئی فرد کھاتا پیتا ہے، سوتا جاگتا ہے، ہنستا روتا ہے، غمگین اور خوش ہوتا ہے ـــ اس کے اندر محبت کا طوفان اٹھتا ہے یا نفرت کا لاوا اُبل پڑتا ہے، اسی طرح عالمِ اعراف کی زندگی میں وہ کھاتا پیتا ہے، سوتا جاگتا ہے اور زندگی کی ساری ضروریات پوری کرتا ہے۔ اگر اِس عالمِ رنگ و بو (عالمِ ناسوت) میں آدمی کو سر چھپانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو اُس عالم میں بھی وہ چھت کے نیچے رہتا ہے۔ جس طرح اِس زمین پر مکانات اور عمارتیں ہیں، اعراف میں بھی یہی سب کچھ ہے۔ فرق یہ ہے کہ وہاں وسائل کے حصول کے لئے اجتماعی یا انفرادی تگ و دو نہیں کرنی پڑتی۔

اعراف کی دنیا اتنی خوب صورت ہے کہ اگر آدم زاد اس کو دیکھ لے تو اِس تنگ و تاریک مادی دنیا کی حیثیت اس کے سامنے کچھ نہیں۔ جب کوئی بندہ ''مشاہدہ'' میں داخل ہونے کے بعد عالمِ اعراف کا نظارہ کرتا ہے تو اس کے اوپر سے کششِ ثقل ٹوٹ جاتی ہے۔ کششِ ثقل ٹوٹ جانے سے مراد یہ ہے کہ جس طرح وہ خواب میں زندگی گزارتا ہے، اعراف میں اسی طرح زندگی گزرتی ہے۔ وہاں ٹائم کی کارفرمائی شروع ہو جاتی ہے اور اسپیس موجود ہو کر بھی حذف ہو جاتی ہے۔ مشاہدے میں اعراف کی دنیا دیکھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ ایک روز مجھے عالمِ ناسوت سے اعراف میں منتقل ہونا ہے۔

عابد محمود

درد کی دوا پائی، درد بے دوا پایا

خراٹے کے سات نہ سہی لیکن سُر ضرور ہیں اور سارے "خ" سے نکلتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان سُروں سے خراٹے لینے والے کی بجائے خراٹے سننے والے زیادہ واقف ہیں۔

پتر ! الفاظ میں تاثیر چاہتا ہے تو درد پیدا کر!

بابے کی بات سن کر میں نے سوچا کہ میرے اندر ادبی ذوق موجود ہے لیکن شاعری میں کمال کے لئے درد کی کمی ہے کہ پھر میں بھی مرزا غالبؔ کی طرح کہہ سکوں،

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا
درد کی دوا پائی، درد بے دوا پایا

درد کی بہت سی قسمیں ہیں جیسے دردِ دل، دردِ جگر، دردِ سر، پیٹ کا درد، کمر کا درد، جوڑوں کا درد وغیرہ۔ خواجہ میر دردؔ نے کہا ہے،

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

سب سے پہلے میں جس درد سے آشنا ہوا، وہ ٹانگ کا درد تھا۔ دسویں جماعت میں اسکول کی طرف سے فٹ بال میچ کے ایک مقابلے میں چوٹ لگنے سے ٹانگ سوج کر کُپا ہو گئی۔ درد سے برا حال تھا۔ ڈاکٹر نے عینک سر سے آنکھوں پر رکھتے ہوئے سوجی ہوئی ٹانگ کا بغور معائنہ کرتے ہوئے کہا، ٹانگ میں سوجن زیادہ ہے لیکن پریشانی کی کوئی بات نہیں۔

میں نے تڑپ کر کہا، ڈاکٹر صاحب! اگر آپ کی ٹانگ سوج کر کُپا ہو گئی ہوتی تو میرے لئے بھی پریشانی کی بات نہیں تھی۔

درد چاہے ٹانگ کا ہو یا دل کا، ہمارا اپنا ہوتا ہے۔ اسے ہم ہی محسوس کرتے اور سہتے ہیں۔ درد کی اندرونی کیفیت سے کوئی دوسرا آشنا نہیں ہو سکتا جب تک کہ خود اس سے نہ گزرے۔

درد کی دوسری کیفیت سے تب گزرا جب یونیورسٹی سے آتے ہوئے محلے کی لڑکی زینب

سے ملاقات ہوئی۔معلوم ہوا کہ ہم ایک ہی یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں۔ ایک دن میں نے پوچھا، تمہیں میری کیا بات پسند آئی؟ اس نے شرماتے ہوئے کہا، ایک دوبار اپنے گھر کی بالکونی سے آپ کو برتن مانجھتے ہوئے دیکھا تھا۔ درد کی ایک لہر آکر گزر گئی۔ ستم یہ کہ مجھے معلوم نہ ہوا کہ یہ محبت کا پہلا جھٹکا ہے، اگرچہ وولٹیج کم تھا۔

محبت میں خوشیاں کم اور درد زیادہ ہیں۔ دردِ محبت سے آشنائی تب ہوئی جب یونیورسٹی میں تعلیم اختتام پذیر ہوئی اور روز ملنا ممکن نہ رہا۔ ہجر کے لمحے دردِ دل کی غذا ہیں لیکن اگر محبوبہ بیگم بن کر گھر آجائے تو یہی دردِ دل، جوڑوں کا درد بن جاتا ہے ۔۔۔ اور جوڑوں کا درد صرف جوڑے ہی جان سکتے ہیں۔ خاص کر وہ جوڑے جن کا آپس میں کوئی جوڑ نہ ہو۔

ہجر میں محبوب جتنا خوب صورت اور پیارا لگتا ہے، وصل میں اتنا ہی بے جوڑ۔ چھ فٹ دو انچ کی میری قد آور شخصیت کو جب پانچ فٹ ایک انچ کی محبوبہ نصیب ہوئی تو میرا سر ہمیشہ کے لئے رفیقۂ حیات کے سامنے جھک گیا۔ اسے دیکھنے کے لئے مجھے ہمیشہ سر جھکانا پڑتا تھا۔ جھکے ہوئے سر کو پہلے اس نے قد کا فرق سمجھا اور بعد میں تابع داری۔

دردِ دل کی انتہا دردِ جگر ہے۔ دردِ دل محبوب کی بے اعتنائی سے، دردِ جگر ہجر سے جب کہ دردِ سر وصلِ مسلسل سے پیدا ہوتا ہے۔ میں محبت کے ارتقائی سفر میں دردِ سر میں مبتلا ہو چکا تھا جو اب وصلِ مسلسل کی طرح دردِ مسلسل تھا۔

آدمی سکون، اطمینان، خوشی اور ذہنی یکسوئی کو پسند کرتا ہے مگر ان سب سے دور رہنے کے لئے شادی کر لیتا ہے۔ شادی کے بعد سکون تب میسر ہوتا ہے جب بیگم سو رہی ہو یا گھر پر نہ ہو۔ بیگم سو جاتی ہے تو لگتا ہے کائنات گنگناتی ہے۔ یہاں ذکر ہرگز خراٹوں کا نہیں، میں تابع دار ضرور ہوں لیکن اتنا نہیں کہ خراٹوں کو گنگناہٹ پر محمول کروں۔ اللہ کا شکر ہے کہ میری بیگم خراٹے کے سُروں سے محروم ہے۔

خراٹے کے سات نہ سہی لیکن سُر ضرور ہیں اور سارے ''خ'' سے نکلتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان سُروں سے خراٹے لینے والے کی بجائے خراٹے سننے والے زیادہ واقف ہیں۔

بات یہ ہے کہ سمجھ دار اور جوڑوں کے درد

سے آشنا شوہر جانتے ہیں کہ بیگم کے گھر پر نہ ہونے یا سونے کے بعد کا وقت کسی طور موسیقی سے کم نہیں۔ ہر سو، ہر جا طمانیت کی چادر تن جاتی ہے اور سکون کی بارش برستی ہے۔ کہتے ہیں کہ بے سکونی سے آشنا شخص ہی سکون کے کیف کو کشید کر سکتا ہے۔

بیگم کے ہاتھ کے کھانے کا سواد الگ ہے۔ پیٹ بھر جاتا ہے، نیت نہیں بھرتی۔ سکون کی دوسری کیفیت اس وقت طاری ہوتی ہے جب بیگم کسی بات پر ناراض ہوکر خاموشی اختیار کرلیتی ہے لیکن اِدھر تھوڑی دیر ناراضی چلتی ہے، اُدھر کھانے کا وقت ہو جاتا ہے۔

دردِ سر کے بعد بہت سے درد ایسے ہیں جو درد ہوتے ہوئے بھی قابلِ تذکرہ نہیں ہوتے۔ بیگم کا فیضان ہے کہ وہ سکت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتی۔ اس بات کا احساس شادی کے تیسرے سال دانت کے درد سے آشنائی پر ہوا۔

ایک دن چاولوں میں کنکر آجانے سے دانت میں ہونے والے درد پر احتجاج کرتے ہوئے میں نے کہا، بیگم! اللہ نے اگر دو آنکھیں دی ہیں تو چاولوں سے کنکر ہی نکال لیا کرو۔

اس نے مسکرا کر کہا، اللہ نے 32 دانت دیئے ہیں، کیا آپ دو چار کنکر نہیں چبا سکتے؟

ایک روز بیگم نے بڑے مان سے پوچھا، سنئے، اگر میں مرگئی تو آپ کیا کریں گے؟

دردِ دل، دردِ جگر اور دردِ سر کے دوران کسی کو خوشی کی خبر ملے تو ہیجان پیدا ہو جاتا ہے۔

جذبات پر قابو پاتے ہوئے کہا، اگر ایسا ہو گیا تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔ شکر ہے میری بیگم نے یہ نہیں پوچھا کہ خوشی سے یا غم سے۔

پوچھا، دوسری شادی تو نہیں کریں گے؟

میں نے معصوم مسکراہٹ کے ساتھ کہا، پاگل تو کچھ بھی کر سکتا ہے۔

اس کے بعد مجھے جبڑے پر کسی آہنی چیز کے ٹکرانے کا احساس ہوا۔ اس دن پہلی دفعہ دردِ دانت کی کیفیت سے آشنا ہوا، شکر ہے کہ دانت مضبوط تھا۔ جبڑے کے درد اور دانت کے درد میں کافی ہم آہنگی ہے۔ بندے کے اندر یہ احساس ختم ہو جاتا ہے کہ درد کہاں ہو رہا ہے۔

درد کی سانجھ داری مجھے دانت کے ڈاکٹر کے پاس لے گئی تو اس نے جبڑے اور دانت کی حالت دیکھ کر مشکوک انداز میں پوچھا، میاں!

دانت کیسے ٹوٹا—؟

میں نے کہا، دال میں کنکر تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا، یہ دال چاول میں کنکر کی کارستانی معلوم نہیں ہوتی۔

خاوند ہونے کا مطلب ہے کہ ایسا فرد جو اپنی بیگم کا محافظ ہو اور گھر کی باتوں کا پردہ رکھے۔ اپنی عزت اور پیش آنے والے واقعہ کو چھپاتے ہوئے کوئی بہانہ ذہن میں نہ آنے پر بے ساختہ کہا، بیگم نے بہت کڑک روٹی بنائی تھی۔

ڈاکٹر دانتوں کے علاج کا وسیع تجربہ رکھتا تھا، دانت کیسے ٹوٹتے ہیں، اسے ادراک تھا۔ وہ ہنسا تو اس کے سامنے والے دانت پر سونے کا پترا چڑھا ہوا تھا۔ یہ وہ اشارے کنایے ہیں جن سے شوہر ہی واقف ہو سکتے ہیں۔

ڈاکٹر نے نصیحت کرتے ہوئے کہا، ایسے موقع پر روٹی کھا لینے میں عافیت ہوتی ہے ورنہ انکار پر بتّیسی خطرے میں آجاتی ہے۔

میری ڈاڑھ جگہ سے ہل گئی تھی البتہ ڈاکٹر صاحب کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ دانت سامنے کا بھی ٹوٹ سکتا تھا لہٰذا خود کو خوش نصیب سمجھا کہ پچھلے دانت کون دیکھتا ہے۔ ایک لمحے کو عالمِ تخیل میں خود کو سونے کے دانت کے ساتھ مسکراتے ہوئے دیکھا تو بیگم کی دور اندیشی پر دل باغ باغ ہو گیا۔ سامنے کے دانت نہ توڑ کر اس نے میری لاج رکھی تھی۔

وقت کا پہیّہ میں جانتا ہوں کہ دائروں میں گھومتا ہے لیکن بیگم پر یہ پہیّہ ایسا گھوما کہ شادی کے چوتھے سال تک ایک بیگم، چہار بیگم کے برابر ہو چکی تھیں۔ وہ کمر جو کبھی پتلی ہوتی تھی، کمرا بننے کو تیار بیٹھی تھی۔ بیگم گزرے دنوں کو یاد کرتی تو آنکھیں پانی بن جاتیں۔ وہ فرماتی کہ گھر کے آدھے سے زیادہ کام تم کر لیتے ہو اس لئے یہ موٹاپا تمہاری وجہ سے ہے ورنہ شادی سے پہلے میں دبلی پتلی تھی۔

دردِ دل، دردِ جگر، دردِ سر، دردِ دانت، دردِ کمر کے ساتھ ساتھ تزکیۂ نفس کی ترغیب بھی بیگم کا خاصّہ ہے۔ نفی کیا ہوتی ہے، اس روز سیکھا جب اس نے مارنے کے لئے گل دان پھینکا۔ میں پھرتی سے ایک طرف ہوا تو گل دان سیدھا جا کر ٹی وی پر لگا اور اسکرین ٹوٹ گئی۔

میں نے غصے سے کہا، تم نے ٹی وی توڑ دیا۔

اس نے بڑے یقین سے کہا، ٹی وی میں نے نہیں، آپ نے توڑا ہے اور آپ کی وجہ سے

صرف اسکرین نہیں ٹوٹی بلکہ گل دان کا بھی نقصان ہوا۔ اب جتنے پیسے اسکرین کی مرمت پر لگیں گے، اتنے میں ایک جوڑا آجاتا۔

اس کی دیدہ دلیری پر ہکّا بکّا رہ گیا۔

وہ بولی، گل دان قیمتی تھا یا ٹی وی ؟

میں نے کہا، ٹی وی۔

وہ تنک کر بولی، پھر آگے سے کیوں ہٹے ؟ ٹی وی بھی اپنی جگہ رہتا اور گل دان بھی بچ جاتا۔

سوچتا رہ گیا کہ بیگم کے ایک خالی وار کا نقصان بھی ہزاروں روپے ہے۔ اگر میں اپنی جگہ رہتا تو اس کی دانست میں زیادہ سے زیادہ میرے سر پر گومڑ نکلنا تھا۔ اب نیا ٹی وی خریدنا پڑے گا۔

محبت کے اس سفر میں درد کی انتہا یہ ہے کہ بقول جگرؔ مرادآبادی،

اب تو یہ بھی نہیں رہا احساس
درد ہوتا ہے یا نہیں ہوتا
عشق جب تک نہ کر چکے رسوا
آدمی کام کا نہیں ہوتا

یہ نہ سمجھئے کہ میں بیگم سے خوش نہیں، خوش نہیں، بہت خوش ہوں۔ اس نے میری زندگی میں آکر زندگی کو بندگی بنادیا ہے۔

حسِ مزاح

پطرس بخاری جب ریڈیو اسٹیشن کے ڈائریکٹر تھے تو ایک مرتبہ مولانا ظفر علی خان صاحب کو تقریر کے لئے بلایا۔ ریکارڈنگ کے بعد مولانا صاحب، پطرس بخاری کے دفتر میں آکر بیٹھ گئے اور بات شروع کرنے کی غرض سے پوچھا، پطرس ! یہ تانپورے اور تنبورے میں کیا فرق ہے —؟ پطرس بخاری نے ایک لمحہ سوچا پھر کہا، مولانا! آپ کی عمر کیا ہے —؟ وہ بولے، یہی کوئی 75 سال ہوگی۔ پطرس بخاری کہنے لگے، جب آپ نے 75 سال یہ فرق جانے بغیر گزار دیئے تو دو چار سال اور گزار لیجئے۔

مرزا غالبؔ مغل سلطنت کے آخری ولی عہد مرزا فتح الملک بہادر سے ملنے گئے۔ وہ غلام گردش میں پہنچے تو خادم نے ولی عہد کو ان کی آمد کی اطلاع دی۔ فتح الملک مصروف تھا، فوری بلا نہ سکا۔ مرزا غالبؔ وہیں ٹہلتے رہے۔

جب ولی عہد کو یاد آیا تو ملازم کو پکار کر کہا، ارے دیکھو! مرزا صاحب کہاں ہیں؟

آواز مرزا غالبؔ تک بھی پہنچی۔ انہوں نے وہیں سے جواب دیا، غلام گردش میں ہے۔

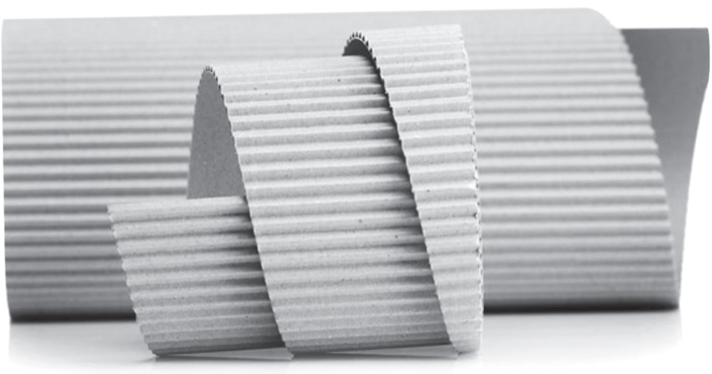

Manufacturer of
Liner & Floating Paper

PRIME PACK INDUSTRIES

C-21, S.I.T.E, Hyderabad
Tel: 022-3880627
Fax: 022-3880381

محمد عدنان خان

پورب کے ہم زاد

رنگ و چمن، عروج و زوال، عشق و مستی اور فنا و بقا کے رنگوں سے معمور صدیوں پر محیط داستان جس کی مکانیت تبت کی فلک بوس چوٹیوں سے لے کر ٹیکسلا کی سرسبز وادیوں تک پھیلی ہوئی ہے۔

ردا کو ٹیکسلا میں صدیوں پرانے کشان دورِ حکومت کا شہزادہ ملا جو کچھ کہنا چاہتا تھا۔ شہزادے سے دور رکھنے کے لئے مکروہ صورت بوڑھا بجر ولال سامنے آیا اور ردا کی پریشانیوں کا آغاز ہوا۔ ایک بزرگ نے ردا کو بتایا کہ شہزادے کے ہم زاد کو آزاد کروانے کے لئے تمہارا انتخاب ہوا ہے۔ ردا ایک حادثے میں کوما میں چلی گئی۔ اسپتال میں اس کے اندر سے روشنی کا پرت نکلا اور ماضی میں سفر کرتے ہوئے ہزاروں سال پہلے کے تبت میں لے گیا جہاں جوبی پہاڑ پر بنی عبادت گاہ اس کا مسکن تھی۔ یہاں بزرگ خاتون رہتی تھیں جو شہزادے کے علاج کے لئے محل گئی ہوئی تھیں۔ شیطانی قوتوں کو ردا کی آمد کا علم ہوا تو مشکلات کھڑی کیں۔ محل سے واپس آکر بزرگ خاتون نے جوبی پہاڑ پر رہنے کی بجائے تبت کے اس علاقے کا رخ کیا جہاں ان کے استاد مقیم تھے۔ شہزادہ سلطنت چھوڑ کر ان کی تلاش میں نکلا۔ اس دوران میں بادشاہ کنڈل کڈفیزز کے بھائی راجا پدل نے لچھاوی کے ساتھ مل کر تخت پر قبضہ کرلیا اور شہزادے اور بزرگ خاتون کو مارنے کی ہر طرح سے کوشش کی مگر وہ محفوظ رہے۔ شہزادے اور بزرگ خاتون کی شادی ہوگئی۔ دشمن شہزادے اور اس کے خاندان تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے مگر بزرگ خاتون تک نہ پہنچ سکے۔ وہ کہاں گئیں، کسی کو پتہ نہیں چلا۔ اس کے ساتھ ہی ردا بھی اگلے سفر پر روانہ ہوئی۔

جب مجھے ججوں کے پینل کے سامنے پیش کیا گیا تو پُراعتماد تھی اور چہرے پر سکون تھا۔ امیر ابنِ جاقم کے قبیلے کے لوگ بھی موجود تھے۔ سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ میں نے ٹیکسلا میں جے ونت کے ہم زاد سے ملاقات سے لے کر جوبی پہاڑ کی عبادت گاہ پر بزرگ خاتون سے ملاقات کا احوال، لچھاوی کی تفصیلات، اس کے ورثا کی معلومات کے ساتھ ساتھ جو کچھ جانتی تھی، تفصیل سے بیان کر دیا۔ سب حیرت اور انہماک سے میری بات سن رہے تھے۔ شروع

میں ابنِ جاقم کے لوگوں کی آنکھوں اور چہرے کے تاثرات میں اپنے لئے ناپسندیدگی دکھائی دی مگر جیسے جیسے وہ معاملات سے آگاہ ہوئے، ناپسندیدگی کی جگہ احترام نے لے لی۔ مجھے شدت سے احساس ہوا کہ ان لوگوں کے درمیان میرا قد بہت چھوٹا ہے مگر یہ فقط ایک احساس تھا۔ ہم عام زندگی میں بھی اکثر مفروضہ احساسات کو اپنے دماغ میں جگہ دے کر ذہنی انتشار کے ساتھ ساتھ نفسیاتی مسائل کا شکار ہو جاتے ہیں۔

حیرت یہ تھی کہ جس کٹہرے میں بیٹھ کر میں ججوں اور ابنِ جاقم کے وکیل کے سوالوں کے جوابات دے رہی تھی، وہ جدید طرز کا چھوٹا چیمبر تھا جو میری صحت سے متعلق عام پیرامیٹرز کو عدالتی کمرے میں نصب بڑی اسکرین پر دکھا رہا تھا جیسے بلڈ پریشر، شوگر لیول، ہارٹ بیٹ، سانس کی مقدار، سانس لینے کی رفتار وغیرہ۔ دماغ سے گزرنے والی الفا، بیٹا اور گاما شعاعوں کا اتار چڑھاؤ بھی سامنے تھا۔ غلط یا غیر حقیقی بات کی نشاندہی بھی اسکرین کے ذریعے ممکن تھی گویا جھوٹ کی قبولیت ناممکن تھی۔ زندایہ نے مجھے پہلے سے آگاہ کر کے تحریری اجازت لے لی تھی کہ کورٹ کی تمام کارروائی عام لوگ بھی دیکھ سکیں گے تاکہ ابنِ جاقم کے لوگ انصاف کے عمل سے مطمئن ہوں۔ کئی گھنٹوں کی تھکا دینے والی اس کارروائی کے دوران میرے لئے کھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ جرح مکمل ہوئی تو آدھا دن گزر چکا تھا۔

یہاں سب ویسا ہی تھا جیسے زمین پر ہوتا ہے مگر تھوڑے فرق کے ساتھ البتہ عمر گزرنے کے دورانیے میں کافی فرق تھا۔ کم ہی لوگ زمین پر سو سال سے زیادہ جیتے ہیں جب کہ جنات کی عمر ہزار سال سے زیادہ ہونا عام ہے۔

آج کی کارروائی مکمل ہوئی تو زندایہ کے ہمراہ میں واپس آئی۔ راستے میں اس نے کئی جگہیں اور لوگوں کا رہن سہن دکھایا جس کو دیکھ کر میں سوچتی رہی کہ جنات اور انسانی دنیا کی معاشرت اور تمدن و ثقافت میں مماثلت ہے۔

زندایہ کے مطابق جنات کی درس گاہیں انسانی تحقیقات سے فائدہ اٹھانے کے لئے طلبہ کو باقاعدہ کورسز کرواتی ہیں مگر افسوس! ہم آدمی کی دنیا کے رہنے والے اس بات سے ناواقف ہیں۔ آج کی جرح مکمل ہو گئی تھی۔ قرقوق کے قتل میں جے ونت کے ہم زاد کا کوئی کردار نہ تھا۔ کل

کشان سلطنت کے خزانوں اور ملکیت کے ساتھ بجر ولال کے معاملے پر بھی بحث ہونا تھی۔

یہاں کچھ ایسے لوگ تھے جن کی نیت میں خزانوں کی ملکیت کے حوالے سے فتور تھا۔ ان کے نزدیک خزانہ جنات کی مملکت کو ملنا چاہئے۔ اس کی وجہ وہ مقام تھا جہاں خزانہ مدفون تھا اور اس جگہ پر جنات کا قبضہ تھا۔ بہر حال ملکیت تو جے ونت کی بنتی تھی اور اس کے نزدیک یہ سب مٹی تھا مگر وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ کشان کی ملکیت لالچی لوگوں کے ہاتھ چڑھے۔ ان ہی باتوں کے درمیان ہم واپس مہمان خانے پہنچ گئے۔

میرے لئے انسانی دنیا کے کھانوں کا انتظام کیا جاتا تھا۔ کھانے کے بعد رات دیر تک زندایہ سے گفتگو ہوتی رہی۔ میری طرح اسے بھی آثارِ قدیمہ میں دلچسپی تھی اور وہ آرکیالوجسٹ بننا چاہتی تھی مگر والد کی خواہش کے زیر اثر وکالت کا انتخاب کیا۔ اس کے والد تجربہ کار قانون دان تھے۔ وہ ٹیکسلا اور نالندہ کا دورہ کر چکی تھی اور متعلقہ کیس کے حوالے سے کافی معلومات اکٹھی کی تھیں۔ باتوں میں رات گزر گئی۔

اگلے روز میں ایک مرتبہ پھر کٹہرے میں بیٹھی تھی۔ جسم سے منسلک تار عدالت میں لگی اسکرین پر میری کیفیات ظاہر کر رہے تھے۔ سب نارمل تھا۔ آج سامنے والے کٹہرے میں بجر ولال موجود تھا۔ وہ مجھے وحشت سے اور میں اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ اسے زبردستی پکڑ کر لایا گیا تھا۔ اس کے ہاتھ پیر جکڑے ہوئے تھے اور نگرانی کے لئے دو سپاہی جن دائیں بائیں کھڑے تھے۔ اس کی جسمانی اور ذہنی کیفیات اسکرین پر سب کے سامنے تھیں۔ وہ کئی قسم کے امراض کا شکار تھا اور اس وقت پریشانی کی وجہ سے اس کا بلڈ پریشر بڑھا ہوا تھا۔

بحث کا آغاز ہوا۔ پہلے بجر ولال سے کہا گیا کہ وہ تعارف کروائے۔ اس نے کشان کے خزانوں کے وارث کی حیثیت سے اپنا تعارف کروایا۔ اسکرین پر جھوٹ بولنے کا کوئی اشارہ ظاہر نہیں ہوا گویا اس کے نزدیک وہی وارث تھا۔ عدالت کو ثبوت درکار تھے جس کے جواب میں وہ محض تقریر کرتا رہا۔ ججوں کے پینل نے تحمل سے اس کی باتیں سنیں اور سوالات کئے۔ وہ محض آئیں بائیں شائیں کرتا رہا۔ کہیں کہیں جھوٹ کا سہارا بھی لیا جو اسکرین پر ظاہر ہو جاتا۔

بجر ولال سے جرح مکمل ہوئی تو میری باری

آئی۔ سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ میں نے وہ تھیلا پیش کیا جس میں دندان کا ہاتھ تھا۔ سب متجسس دیکھ رہے تھے۔ ہاتھ کو درمیان میں موجود میز پر رکھ دیا گیا۔ وہاں نصب خود کار (روبوٹک) مشینوں نے اس کی جانچ شروع کی۔ چند منٹوں میں تفصیل اور رپورٹ کی سافٹ کاپی اسکرین پر ظاہر ہوگئی۔ مشین کی جانچ نے بہت ساری چیزیں واضح کر دی تھیں۔

باقی تفصیل میں نے بیان کی تو بجرولال کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہوئے حالاں کہ کمرے میں ایئر کنڈیشنر چل رہے تھے۔ آخر میں بجرولال اور دندان کے پنجے کے ڈی این اے نمونے لے کر ان کے موازنے کی استدعا کی جو فوراً قبول کر لی گئی۔ اس پر بجرولال بہت گھبرایا کیوں کہ وہ بار بار اپنے داہنے ہاتھ کے پنجے اور دندان کے پنجے کو دیکھ رہا تھا جن میں بظاہر کوئی فرق نہیں تھا۔ دونوں ایک دوسرے کی نقل تھے۔

ججوں کے پیچھے موجود کیبن میں بیٹھے نوجوان "جن" کے ہاتھ عدالت میں خودکار سسٹم کو کنٹرول کر رہے تھے۔ بجرولال کے ڈی این اے کا نمونہ اس کی کرسی میں لگے سسٹم کے ذریعے لے لیا گیا جب کہ دندان کے ہاتھ کا نمونہ وسطی ٹیبل پر روبوٹک سسٹم سے لیا گیا۔ چند منٹوں میں رپورٹ عدالت کی دیوار پر لگی ایک اسکرین پر ظاہر کر دی گئی جس کے مطابق بجرولال اور دندان کے دائیں ہاتھ کے پنجے میں حیرت انگیز مماثلت تھی۔ سب حیران رہ گئے۔

بجرولال اور میں اسکرین پر تحریر کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ ہماری آنکھوں اور کانوں پر چشمے کی مانند آلہ لگایا گیا تھا جس کی مدد سے ہم تحریر دیکھ اور پڑھ سکتے تھے۔ میں رپورٹ سے متعلق جو کچھ دیکھ اور پڑھ رہی تھی، وہ میری سہولت کے لئے انگریزی اور اردو میں تھا جب کہ بجرولال اپنی مادری زبان میں سن رہا تھا۔

ثبوت سامنے تھے۔ ججوں نے فیصلہ دینے سے پہلے کچھ دیر وقفہ لیا۔ وقفے کے دوران قہوے کے ساتھ کھجور، انجیر اور زیتون سے بنی چٹنی پیش کی گئی جسے بجرولال نے کھانے سے انکار کر دیا۔ وہ شدید ذہنی دباؤ کا شکار تھا۔ یہاں اس کی استدراجی قوتیں بے اثر تھیں۔ وجہ وہ جنات تھے جو اس کام پر مامور کئے گئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں الیکٹرانک چھڑیاں تھیں جن سے کرنٹ لگتا تھا۔ جیسے ہی وہ کوئی منتر شروع کرتا،

چھڑی اس کے جسم سے لگادی جاتی۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ جج صاحبان نشستوں پر واپس آئے۔ ان کے بیٹھتے ہی عدالت میں لگی مرکزی اسکرین پر فیصلہ ظاہر ہوا۔

شہزادہ جے ونت کے ہم زاد کے خلاف شروع کی جانے والی کارروائی کو فوری طور پر روک کر اس کا نام مقدمے سے نکال دیا گیا۔ خزانوں پر اس کی ملکیت تسلیم کر لی گئی تھی۔ بجرولال پر متعدد دفعات لگی تھیں جن میں مجھ پر قاتلانہ حملہ اور میرے خاندان کو نقصان پہنچانے کے ساتھ شہزادے کے ہم زاد کو قید کرنے اور خزانے پر قبضہ کرنے کے علاوہ کئی جرائم تھے۔

قرقوق کے قتل کا معمّہ حل ہو گیا تھا۔ عدالت کی جانب سے اس کیس میں معاونت کرنے پر میرا شکریہ ادا کیا گیا اور مجھے مملکت کی جانب سے ساری عمر کے لئے سرکاری مہمان کے طور پر نامزد کیا گیا۔ کمپیوٹرائزڈ نظام کے ذریعے میری کلائی پر نشان ثبت کیا گیا جو جنات کے معاملات میں خصوصی اختیار کو ظاہر کرتا تھا۔

بجرولال گرفتار ہو چکا تھا۔ میں زندایہ کے ہمراہ عدالت سے نکلی تو ذہن پر یہ خیال محیط تھا کہ اگلی منزل کیا ہوگی۔ جنات کی دنیا میں بہت سی ایسی باتیں پیش آئیں جن کا تذکرہ تحریر کی طوالت سے بچنے کے لئے حذف کر دیا گیا ہے۔

زندایہ بھی میری واپسی سے لاعلم تھی۔ چوں کہ واپسی کسی بھی وقت متوقع تھی لہٰذا ہم سیدھا گھر پہنچے۔ اس نے گھر پہنچ کر کچھ تحائف دیئے۔ میری نظر سنگِ سبز پر ٹکی ہوئی تھی جس میں پڑی سنہری ڈوری کی چمک دمک تازہ دکھائی دی۔ خوف کی کئی لہریں وجود سے گزر گئیں۔ میں نے جھجکتے ہوئے اسے اٹھایا۔ یہ ہو بہو وہی تھا جو مالیگا کو شادی سے پہلے شہزادے کے گلے میں ڈالنا تھا لیکن وہ نہیں ڈال سکا تھا۔

میں سنگِ سبز کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی کہ زندایہ نے کہا، یہ مجھے اس کیس کی تحقیقات کے دوران ٹیکسلا میں "جناں والی ڈھیری" کے پاس ملا تھا، میں وہاں موجود تھی کہ اچانک موسم بدلا، ہوا کے زوردار جھکڑ چلے اور وہاں موجود برگد کا قدیم درخت گر گیا۔

طوفان تھما تو یہ سبز پتھر مجھے برگد کے درخت کے نیچے سے ملا۔ ایسا لگتا ہے کہ کسی قدیم زمانے کا پتھر ہے۔ پتھر تمہیں دینے کی وجہ یہ ہے کہ تم آثارِ قدیمہ کی طالبہ ہو۔ اس پر تحقیق کرو۔ ایسا

محسوس ہوتا ہے کہ اس میں کچھ اسرار ہیں۔ پہلے میں اسے زہر مہرہ* سمجھی کیوں کہ یہ زہر مہرہ کی طرح کام کرتا ہے لیکن میرا اندازہ غلط نکلا۔ پھر اسے زمرد* سمجھی لیکن یہ زمرد بھی نہیں ہے۔ اس میں زبرجد* اور عقیق* کے ساتھ کئی اور قیمتی پتھروں کے خواص موجود ہیں۔ میں نے بڑے سے بڑے ماہر جوہری کو دکھایا مگر کوئی نہیں بتاسکا کہ یہ کون سا پتھر ہے۔

بزرگ خاتون اور شہزادے کے ساتھ جو ہوا، سب ذہن کی اسکرین پر فلم کی طرح نشر ہونے لگا۔ میں اداس نظروں سے پتھر کو دیکھ رہی تھی کہ اس سے ایک دور کا انجام وابستہ تھا۔

زندایہ بولی، اسے اٹھا کر وزن محسوس کرو۔ لگ بھگ پچاس گرام ہوگا۔

میں نے ایک بار پھر پتھر ہاتھ میں لیا تو بے وزن محسوس ہوا۔ پھر زندایہ کے اصرار پر اسے گلے میں پہنا تو ایسا لگا کہ ثقل ٹوٹ گیا ہے۔

میں لڑکھڑا گئی۔ زندایہ نے جلدی سے سنبھالا اور میں نے گھبرا کر گلے سے سنگِ سبز اتار دیا۔ پتھر میں بزرگ خاتون کا تصرف کام کر رہا تھا یا پھر وہ پتھر ہی کسی خاص نوعیت کا تھا۔ بہر حال میں نے تمام تحائف کا شکریہ ادا کیا جو زندایہ اور مملکت کی طرف سے مجھے پیش کئے گئے تھے۔ میرا بیگ تیار تھا۔ قیمتی پتھر کے تحفے سے اگلی منزل واضح ہوگئی تھی۔ درحقیقت پتھر کا تحفہ شہزادے کی امانت تھا جو اس تک پہنچانا ضروری تھا۔ علم نہیں تھا کہ اس تک رسائی کیسے ہوگی۔

زندایہ کے ہمراہ اس دروازے تک بھی گئی جس سے گزر کر آئی تھی مگر دروازے کے پیچھے طویل راہ داری اور اس میں دائیں بائیں کمرے دکھائی دیئے۔ ہم گھوم پھر کر اپنی جگہ پر آگئے۔ اس نے تسلی دی کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، واپسی کا انتظام خود بخود ہو جائے گا۔

رات گئے دیر تک وہ مجھے جنات کی سلطنت کے بارے میں باتیں بتاتی رہی۔ انسانی دنیا سے متعلق اس نے بہت کچھ مجھ سے پوچھا۔ جب ہم باتیں کر کے تھک گئے تو سونے کے خیال کے سبب وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ہم نے ایک دوسرے کو الوداع کہا۔ اس کا خیال تھا کہ میری واپسی کسی بھی پہر ہوسکتی ہے۔

(قسط : ۴۹)

---

* زہر مہرہ (Serpentine) * زمرد (Emerald) * زبرجد (Green Beryl) * عقیق (Agate)

Since 1990

MOTOLUX

INDUSTRIES

A GLOVES ENGINEERING COMPANY.

Motolux Street,Muzzafarpur, Ugoki Road,
Sialkot-51340,Pakistan,
Tel: +92-52-3252284,Fax: +92-52-3240216
info@motolux.pk

تجمل
Tajammal

IATA
ACCREDITED AGENT
IATA Code: 27342433

تجمل ٹریولز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

تجمل للسفریات (الخاصه) المحمدوده

ویزہ + ایئرلائن ٹکٹ

ہوٹل + زیارات ٹرانسپورٹ

UMRAH

عمرہ سروس

بجٹ پیکج
اکانومی پیکج

5 ہوٹل کی بکنگ

ٹی ایچ اے اوورسیز ایمپلائمنٹ پروموٹرز

شبعةتی ایچ اے 〈THA〉 لتطورالامور تتعلق بالعمال/الموعطفین الا جانب

THA
OVERSEAS EMPLOYMENT PROMOTERS
Licence No. 4189/LHR
(خصة تسعة:۴۱۸۹/ایل ایچ آر

متحدہ عرب امارات، سعودی عرب، قطر ملائشیا، میں ملازمت کے شاندار مواقع

- Labour Visa
- Skilled Visa
- Un Skilled Visa

thaoep1@gmail.com

رانا تجمل حسین
CEO

+92 300 6654 211
+92 302 1165 300
+92 321 6680 266
+92 41 2641 904

Office No. 54, Gate No. 5, Iqbal Stadium. Faisalabad. PK

343 میٹر فی سیکنڈ

غور طلب ہے کہ اگر ہم آواز کے مخرج (source) کے نزدیک ہیں تو آواز واضح سنائی دے گی اور اگر دور ہیں تو آواز ہلکی سنائی دے گی۔

اس غیرتِ ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو

تان سین نے دیپک راگ چھیڑا اور چراغ جل اٹھے، تانی نے میگھ ملہار گایا اور بارش برسنے لگی، بیجو باورا نے راگ سے پانی میں پتھر گھلا دیا اور کسی موسیقار نے ایسا راگ چھیڑا کہ کمرے میں رکھے ہوئے ساز بج اٹھے۔

شاعرانہ مبالغہ کی تہ میں چھپی ہوئی حقیقت کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ ساری تعریفیں آواز کی ہیں۔ آواز میں تعمیر ہے اور تباہی بھی۔ نرم لہجے اور اچھے الفاظ سے دل میں جگہ بن سکتی ہے اور سخت لہجہ دل سے بے دخل بھی کر سکتا ہے۔ یہ آواز کی تاثیر ہے۔

آواز ایک خاندان ہے ___ سریلی، کرخت، نرم، پاٹ دار، شیریں، کڑوی، کسیلی، چنگھاڑ، گرج دار، غضب ناک وغیرہ۔

موسیقاروں کا کہنا ہے کہ دنیا کے تمام راگ و راگنیاں سات سُروں سے بنی ہیں۔ یہ سُر "سا، رے، گا، ما، پا، دھا، نی" ہیں۔ کیا آپ نے کبھی دھیان دیا ہے کہ سُر کیا ہیں؟ ان میں کیا فرق ہے جس سے ہم سمجھ لیتے ہیں کہ کون سا سُر نی اور کون سا دھا ہے؟ کیوں کوئی آواز باریک، پاٹ دار یا بھاری محسوس ہوتی ہے؟ بہت سی آوازوں کو ہم نہیں سنتے، ان کو خاموش آوازیں کہا جاتا ہے لیکن جانور ان آوازوں کو سن لیتے ہیں پھر آوازیں خاموش کیسے ہوئیں؟

فضا اور ہوا جو زمین کے اطراف غلاف کی شکل میں لپٹی ہوئی ہے، اس کے ذریعے ہم آواز سنتے ہیں۔ ٹھہرے ہوئے پانی میں کنکر پھینکنے سے

لہریں پیدا ہوتی ہیں اور دائرے کی صورت میں کناروں تک جاتی ہیں، آواز بھی دائروں میں سفر کر کے چہار سو پھیل جاتی ہے۔ غور طلب ہے کہ اگر ہم آواز کے مخرج (source) کے نزدیک ہیں تو آواز واضح سنائی دے گی اور اگر دور ہیں تو آواز ہلکی سنائی دے گی۔ روشنی اور آواز لہروں کی شکل میں ہم تک پہنچتی ہیں۔

(۱) روشنی کثیف ٹھوس شے سے نہیں گزرتی جیسے دیوار البتہ شفاف ٹھوس شے سے گزر جاتی ہے جیسے موٹا شیشہ۔ اس کے برعکس آواز ٹھوس اور غیر شفاف دونوں اشیا سے گزر جاتی ہے۔ مثال کے طور پر آواز دھات میں سے گزر سکتی ہے اور اس دوران میں اس کی رفتار کافی تیز ہو جاتی ہے۔ ہوا میں صوتی لہروں کی رفتار سات سو میل فی گھنٹہ بتائی جاتی ہے لیکن فولاد میں یہی لہریں پندرہ گنا زیادہ رفتار سے دوڑتی ہیں۔

(۲) صوتی لہریں طول البلدی (Longitudinal) اور روشنی کی لہریں Transverse ہوتی ہیں۔ اگر پانی پر کارک پڑا ہے تو وہ پانی کی لہروں کے ساتھ اوپر نیچے حرکت کرتا ہے، اس حرکت کو Transverse کہتے ہیں — لیکن آواز کی لہریں جب سفر کرتی ہیں تو آگے پیچھے پھیلتی اور سکڑتی ہیں جیسے اسپرنگ آگے پیچھے تو پھیلتا اور سکڑتا ہے لیکن اوپر نیچے نہیں ہوتا جب کہ پانی اور روشنی کی لہریں اوپر نیچے ہو کر چلتی ہیں۔

(۳) برسات میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ آسمان پر بجلی چمکنے کا شعلہ پہلے اور اس کی کڑک بعد میں سنائی دیتی ہے۔ وجہ یہی ہے کہ بجلی کی چمک ایک لاکھ 86 ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے ہماری آنکھوں تک پہنچتی ہے جب کہ آواز کی رفتار 343 میٹر فی سیکنڈ (331.29 m/s) بتائی جاتی ہے۔

آواز موٹی اور باریک کس طرح بنتی ہے؟

آواز کی لہریں یکساں نہیں ہوتیں، ان کا طولِ موج (ویو لینتھ) چھوٹا بڑا ہوتا ہے۔

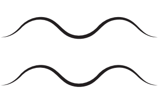

طولِ موج ایک لہر کے دو ابھاروں کے درمیانی فاصلے کو کہتے ہیں۔ طولِ موج کے چھوٹے بڑے ہونے سے مختلف سُروں کی آوازیں بنتی ہیں۔ طولِ موج ظاہر نہ ہو تو آواز سنائی نہیں دیتی۔

لہریں کسی بھی طولِ موج کی ہوں، ان کی رفتار یکساں ہوتی ہے۔ فی سیکنڈ کسی نقطہ سے آواز کی لہر کے جتنے طولِ موج بنتے ہیں، وہ فریکوئنسی (ارتعاش) کہلاتی ہے۔ طولِ موج کا ابھار اگر

ایک سیکنڈ میں دس دفعہ ہے تو لہر کی فریکوئنسی دس ہوگی۔ اسی نقطہ سے ایک ہزار ابھار گزریں تو فریکوئنسی ہزار ہوئی۔ یہ ایسا ہے کہ آدمی ایک سیکنڈ میں تین قدم اور دوسرا آدمی ایک سیکنڈ میں ایک قدم کا فاصلہ طے کرتا ہے۔

باریک آواز کی فریکوئنسی زیادہ اور موٹی آواز کی نسبتاً کم ہوتی ہے لیکن آواز کا بلند اور پست ہونا الگ خصوصیت ہے۔

① بڑے باجے کی آواز بھاری مگر فریکوئنسی کم ہے۔ خواتین کی آواز کی فریکوئنسی مردوں کی نسبت زیادہ ہے۔ خاتون بلند آواز سے بات کرے یا آہستہ سے، فریکوئنسی تقریباً وہی رہتی ہے یعنی اسی فریکوئنسی میں آواز کی لہروں کا حیطہ* کم ہو تو آواز پست ہوتی ہے اور حیطہ زیادہ ہو تو آواز بلند ہوتی ہے۔

② آواز کے بلند ہونے کو زیادہ اور پست ہونے کو کم فریکوئنسی کی آواز سمجھا جاتا ہے۔ آواز کی پستی اور بلندی حیطہ کی خصوصیت ہے جب کہ بھاری اور موٹا ہونا فریکوئنسی کی وجہ سے ہے۔

③ باریک یا زیادہ فریکوئنسی کی آوازیں دور تک سنائی دیتی ہیں۔ زیادہ فریکوئنسی میں زیادہ توانائی ہے اور فاصلہ زیادہ طے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دور گانا بج رہا ہو تو صرف باریک سُروں والے ساز سنائی دیتے ہیں۔

④ حیطہ بڑھانے سے بھی آواز کی توانائی بڑھ جاتی ہے اور وہ دور تک جاتی ہے۔ لاؤڈ اسپیکر آوازوں کا صرف حیطہ بڑھاتا ہے — انہیں بلند کرتا ہے، ان کی فریکوئنسی تبدیل نہیں کرتا۔

⑤ حیطہ اور فریکوئنسی کی مثال یہ ہے کہ پانی کی دس لہریں ایک سیکنڈ میں ایک نقطہ سے گزرتی ہیں تو فریکوئنسی دس ہوئی۔ فریکوئنسی کی تبدیلی کے بغیر لہروں کا اوپر نیچے، بلند یا پست ہونا حیطہ ہے۔ لہر کا آگے پیچھے اپنی لمبائی میں کم زیادہ ہونا، فریکوئنسی کا زیادہ یا کم ہونا ہے۔

آواز کا طولِ موج جس قدر بڑا ہوتا ہے، اسی قدر آواز بھاری ہوتی ہے اور طولِ موج جس قدر چھوٹا ہوتا جاتا ہے، آواز باریک ہوتی جاتی ہے حتیٰ کہ ایک مقام ایسا آتا ہے جب کان آواز کی مختصر ترین لہر کو محسوس کرنے سے عاجز ہوتے ہیں۔ یہی کیفیت زیادہ طولِ موج کی آوازوں کی ہے۔ ان کو خاموش آوازیں کہا جاتا ہے لیکن یہ خاموش نہیں ہوتیں، سننے والے سنتے ہیں۔

ہمارے کان جو آوازیں سن سکتے ہیں، انہیں

* حیطہ (amplitude۔ آواز کا بلند و پست ہونا)

صوتی لہریں یعنی Sound Waves کہتے ہیں۔ کم سائیکل کی لہریں Sub Sonic اور زیادہ سائیکل کی لہریں Super Sonic کہلاتی ہیں۔ آدمی دونوں لہریں سنتا ہے نہ محسوس کرتا ہے۔ ان کو خاموش یا الٹرا سونک لہریں کہا جاتا ہے۔

1876ء میں ایک محقق نے ایسی سیٹی بنانے کا دعویٰ کیا جس سے الٹرا سونک آواز نکلتی تھی۔ اسے آدمی نہیں سن سکتا تھا البتہ کتّے سنتے تھے اور سیٹی کے اشاروں پر عمل کرتے تھے کیوں کہ کتّے کم طول کی موجوں کو سن سکتے ہیں۔ جنگِ عظیم اول میں الٹرا سونک لہروں سے سمندر میں غرق جہازوں کا پتہ لگایا گیا۔ یہ لہریں پانی میں بھی تیزی سے سفر کرتی ہیں لہٰذا سمندر کی گہرائی ناپنے کے لئے الٹرا سونک آلات کی مدد لی گئی۔ زیادہ طاقت کی الٹرا سونک لہریں پیدا کرنے کے لئے ہوا کا دباؤ ضروری تھا۔ ایسے میں بجلی (برق) کی مدد لینے کا خیال آیا۔ اس کے لئے پہلے بجلی کو آواز کی لہروں میں تبدیل کرنا تھا۔

مشہور محقق جوڑے پیری کیوری اور مادام میری کیوری نے برقی دباؤ سے صوتی لہریں بنانے کا کامیاب تجربہ کیا۔ خاتون محقق مادام کیوری کی شہرت کی وجہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے ریڈیم دھات کی تاب کاری (radiation) سے موجودہ دنیا کو متعارف کروایا اور دریافت کیا کہ بعض معدنیات دباؤ پڑنے پر بجلی پیدا کرتی ہیں۔ اس عمل کو Piezev electrition کہا جاتا ہے۔ اس بجلی سے الٹرا سونک صوتی لہریں پیدا کی جاتی ہیں۔ کیوری جوڑے نے اس عمل کو الٹا کر دیا۔ انہوں نے بعض معدنیات میں برقی کرنٹ دوڑایا تو ان میں الٹرا سونک لہروں کا انکشاف ہوا۔

آواز میں یہ خصوصیت ہے کہ وہ کسی شے سے ٹکرا کر اسی رفتار سے واپس آتی ہے۔ سمندری جہازوں کے کپتان خطرہ محسوس کرتے تو ہارن بجاتے اور اس کی بازگشت سے معلوم کرتے کہ ان کے اور رکاوٹ کے درمیان کتنا فاصلہ ہے۔

چمگادڑ حلق سے الٹرا سونک آوازیں نکالتی ہے جنہیں آدمی نہیں سنتا۔ لہریں چیزوں سے ٹکرا کر چمگادڑ کے پاس واپس آتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ ماحول میں کیا کچھ ہے۔

ہم الٹرا سونک لہریں سن سکتے ہیں لیکن نہیں سنتے۔ قدیم زمانے میں لوگوں کی حسیات اتنی تیز تھیں کہ زمین سے کان لگا کر میلوں میل دور گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سن لیتے تھے۔

صوتی اور الٹرا سونک لہروں کی رفتار ابتدا میں

یکساں ہوتی ہے البتہ مختلف چیزوں سے گزرتے ہوئے ان کی رفتار بدل جاتی ہے۔ ہوا میں یہ لہریں سات سو میل فی گھنٹہ چلتی ہیں۔ فولاد میں ساڑھے دس ہزار میل فی گھنٹہ جب کہ پانی میں ان کی رفتار الگ ہے۔

سمندر کی گہرائی کا پتہ لگانے کا طریقہ یہ ہے کہ الٹراسونک لہریں سمندر میں بھیجی جاتی ہیں۔ لہریں سمندر میں جس مقام تک جاتی ہیں، اسے چھوکر پلٹتی ہیں۔ ایک حساس آلہ ان کو حاصل کرکے وقت بتادیتا ہے۔ اب لہریں بھیجنے اور وصول کرنے میں جتنا وقت لگتا ہے، اس سے لہروں کے دور کرنے کی رفتار تقسیم کرکے فاصلہ معلوم کیا جاتا ہے۔

⟵✦✦⟶

آواز اور خاموش لہروں کے کرشمے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ جب یہ خاموش آوازیں اس قدر حیرت انگیز کام کرسکتی ہیں تو ممکن ہے کہ تان سین بھی خاص سُر کی تان لگا کر بجھے ہوئے چراغ جلا دیتا ہو اور تانی بارش برسا دیتی ہو۔

اب یہ پڑھئے۔ ایک سُر سے ساز بجانا ممکنات میں سے ہے۔ کوئی سازینہ "ما" کے صحیح سُر پر کسا ہوا رکھا ہے اور گائیک اس سُر میں حلق سے "ما" کا صحیح سُر نکالے تو سازینے کے تاروں میں خود بخود تھرتھراہٹ پیدا ہوگی، وہ بجنے لگیں گے۔

> تازہ برف باری آواز کو جذب کرکے ماحول میں شور کم کردیتی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ ہوا روئی کے گالوں کے درمیان مقید ہوکر ارتعاش کی شدت کو کم کردیتی ہے اسی لئے جب برف باری ہوتی ہے تو خاموشی فضا میں ڈیرا جمالیتی ہے۔

اچھی آواز سحر میں گرفتار کرلیتی ہے اور بے ہنگم آواز سے ذہن بوجھل ہوجاتا ہے۔ کائنات آواز سے بنی ہے اور آواز پر ہی کائنات کا اختتام ہے۔ سننے دیکھنے کا عمل آواز سے ہے ورنہ آدمی سن سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے۔ شے آواز کی جس فریکوئنسی پر تخلیق ہوئی ہے، اس کی مقدار برقرار رہے تو شے قائم رہتی ہے، آواز کی مقداریں بے ہنگم ہوجائیں تو شے کی ٹوٹ پھوٹ کا عمل تیز ہوجاتا ہے۔ اس کی مثال زور دار دھماکے کے ارتعاش سے عمارت گرنا ہے۔

قارئین! مضمون کے اختتام پر یہ قانون دوبارہ پڑھئے۔ اگر ہم آواز کے مخرج (source) کے نزدیک ہیں تو آواز واضح سنائی دے گی— دور ہیں تو آواز ہلکی سنائی دے گی۔

⟵✦✦⟶

سرورق کی تشریح

رب تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں،

"اور زمین کے مختلف قطعے ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ اور انگوروں کے باغات ہیں اور کھیت ہیں۔ اور کھجوروں کے درخت ہیں بعض کئی تنوں کے ہیں اور بعض ایک تنے کے۔ سب کو ایک ہی پانی ملتا ہے اور ہم بعض پھلوں کو بعض پر ذائقے میں برتری دیتے ہیں۔ بے شک اس میں عقل مند قوم کے لئے نشانی ہے۔" (الرّعد : ۴)

"ماہنامہ قلندر شعور" کے سرورق پر کھجور کا درخت بنا ہوا ہے جس پر کھجوروں سے لدے سنہری خوشے نمایاں ہیں۔ شیرینی اور مٹھاس سے بھرپور کھجوروں کے ساتھ دوسری طرف کریلے کی بیل ہے جس میں کڑواہٹ بھرے کریلے لٹک رہے ہیں۔ تھوڑا غور سے دیکھنے کے بعد زبان پر کڑواہٹ کا احساس ہوا۔ توجہ فوراً ساتھ موجود دوسری بیل دار سبزیوں کی طرف گئی جہاں پھیکے کدّو اور لوکیاں بیلوں سے لگی ہوئی ہیں۔ ایک میں گولائی اور دوسری سبزی میں لمبائی نمایاں ہے۔

ذائقوں کے ساتھ سبزیوں کی شکلیں اور رنگ بھی مختلف ہیں۔ جہاں رنگ ایک ہے، وہاں شیڈ میں فرق ہے۔ کریلے کے پیلے پھول کی خوب صورتی اپنی جگہ نمایاں ہے۔ نیچے ایک طرف سیاہی مائل جامنی بینگن ہیں تو دوسری طرف جامنی مائل سیاہ انگور ہیں۔ بینگن اور انگور کے رنگ میں مشابہت ہے لیکن ذائقے اور نوعیت میں مشرق مغرب کا فرق ہے۔ سیاہ انگوروں کے ساتھ ہلکے جامنی اور سبز انگور موجود ہیں۔ یہاں تجسس پیدا ہوتا ہے کہ ان میں سے کس انگور کے ذائقے کو کس انگور پر فضیلت حاصل ہے—؟ اس کے سوا کوئی ظاہری طریقہ نظر نہیں آتا کہ سب کو الگ الگ کھا کر، احتیاط اور غور و فکر سے کوئی نتیجہ برآمد کیا جاسکتا ہے۔ تجربہ دلچسپ اور تفکر طلب ہے۔

بالکل داہنی طرف پیلے رنگ کے آم ہیں تو اس کے ساتھ ہی تقریباً اسی رنگ کے پپیتے موجود ہیں۔ ان کی خوش بو، مٹھاس کی مقدار، ذائقہ اور تاثیر میں بہت فرق ہے۔ ایک ذائقے کا بادشاہ ہے تو دوسرا باقی خواص میں منفرد ہے۔ پپیتے اور آم کے نیچے انار ہیں۔ انار کی شہرت یہ ہے کہ یہ جنت کا پھل ہے۔ بناوٹ، ذائقے اور تاثیر کے اعتبار سے یہ دنیا میں مختلف اور عجیب قسم کا پھل ہے۔ مضبوط چھلکے

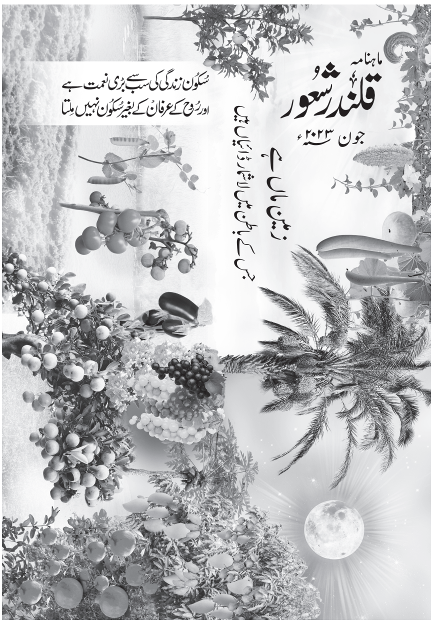

کے اندر رس بھرے کسی قدر سختی لئے دانے جو ترتیب سے کرسٹل کی شکل میں بند کئے گئے ہیں، کسی اور پھل کا خاصہ نہیں۔

انار کے ساتھ ترشی، مٹھاس، خوش بو اور رنگینی کو یکجا کئے ہوئے نارنگیاں ہیں۔ چھلکا، پھانک، ہر پھانک کے اندر چاول نما خانے اور ان میں رنگین رس۔ عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ اس قدر نفاست سے خالقِ کائنات اللہ تعالیٰ نے کیا شاہکار تخلیق فرمایا ہے۔

نارنگیوں کے ساتھ ٹماٹر کا پودا ہے۔ پکے ہوئے سرخ ٹماٹروں کے اوپر ٹماٹر ابھی کچے ہیں۔ محققین ٹماٹر کو دیکھ کر حیران ہیں کہ یہ سبزی ہے یا پھل۔ ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچے۔

ان کے ساتھ مٹر کا پودا ہے جس میں ہوا بند پھلیاں لٹک رہی ہیں۔ پھلیوں کے اندر دباؤ کے ساتھ ہوا بھری ہوئی ہے جو دانوں کو محفوظ اور تازہ رکھتی ہے۔ دور پکی ہوئی سنہری گندم کی فصل ہے۔ ایک دانے سے ہزار دانے پیدا ہو جاتے ہیں تاکہ قدرت کی فیاضی اور سخاوت سے کوئی محروم نہ رہ جائے۔

سرورق کو تھوڑا فاصلے سے دیکھنے سے دن رات کے فرق کی تخلیق نمایاں ہوتی ہے۔ دن کی دھوپ سے فصلیں اور پھل پکتے ہیں تو رات کو چاندنی ان میں ذائقہ اور مٹھاس بھرتی ہے۔

زمین ماں کے بطن میں ہر پھل، سبزی اور دیگر مخلوقات کی ڈائیاں بنی ہوئی ہیں۔ ایک ہی پانی مختلف ڈائیوں میں جا کر مختلف رنگ و روپ، شکل و صورت اور ذائقہ اختیار کر لیتا ہے۔

نارنگی، انگور یا کھجور محض کھجور، انگور اور نارنگی نہیں بلکہ معین مقداروں کا مظاہرہ ہے۔ دن رات کا اختلاف، آسمان سے پانی برسنا، زمین کا پانی کو جذب کرنا پھر ڈائی میں ڈھلنا، مخصوص شکل و صورت اور سراپا عطا ہو کر نارنگی، کھجور اور انگور بننا، ان کا زمین کی اسکرین پر نمودار ہونا اور مظاہرہ کرنا۔

اس طرح ہر پھل محض ایک پھل یا جنس نہیں بلکہ ایک ضخیم کتاب ہے۔

سرورق کو دیکھ کر ابتدا میں اندازہ تھا کہ پانچ دس منٹ میں اس کا مطالعہ ہو جائے گا لیکن غور و فکر کا دورانیہ دو گھنٹے تک بڑھ گیا اور موضوع سمٹ نہ سکا — تفکر میں گہرائی پیدا ہوتی گئی۔

(تشریح : مکسل مینا)

زمین ماں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک نظام کے تحت ہر مخلوق کی پیدائش ماں کے بطن سے رکھی ہے۔ اللہ نے ماں کو مخلوق کی تخلیق کا ذریعہ بنایا ہے۔ سرورق پر لکھا ہے،

"زمین ماں ہے اور اس کے باطن میں بے شمار ڈائیاں ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں زمین اور مٹی کی خصوصیات بہت سی آیات میں بیان کی ہیں۔ مٹی خلا ہے، گارا ہے، کھنکھناتی، سڑی ہوئی بجنی شے ہے۔ یہ پھیلتی ہے، سکڑتی ہے اور اس میں لاشمار رنگ اور مقداریں رکھی ہیں۔ زمین کے بارے میں ہے کہ اللہ نے زمین کو فرش بنایا، زمین کی تمام چیزوں کو مخلوق کے لئے پیدا کیا، زمین میں میخیں گاڑیں، پہاڑ رکھے اور سمٹنے سے روکا، زمین میں دریا بہائے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر خلیفہ بنایا یعنی زمین کے علوم سے واقف انسان فی الارضِ خلیفہ بن جاتا ہے۔

(عدنان نذیر، اٹک)

اقتباسات

"ماہنامہ قلندر شعور" کو گلدستہ بنانے کے لئے قارئین کی کوشش قابلِ قدر ہے۔ قرآن کریم، آسمانی کتابوں، ملفوظات، تاریخ، انکشافات اور سائنسی فارمولے بھیج کر اس رسالے کا حصہ بن سکتے ہیں۔ تحریر کم و بیش 120 الفاظ پر مشتمل ہو۔

دنیا میں جتنے عظیم لوگ پیدا ہوئے ہیں وہ بھی کسی نہ کسی مسئلے سے دوچار رہے ہیں لیکن وہ اس نکتے سے باخبر ہوتے ہیں کہ مسائل اُس وقت تک مسائل ہیں جب تک انسان ذہنی یکسوئی اور سکون کی زندگی سے ناآشنا ہے۔ ان لوگوں کے اوپر سے مسائل و تکالیف کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے جو اللہ کی مخلوق کی خدمت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیتے ہیں — کسی ایسے شخص کی خدمت کیجئے جو نادار ہے، ضرورت مند ہے پھر دیکھئے کہ آپ کو کتنا سکون ملتا ہے۔ (مرسلہ: نعمان اختر۔ اسلام آباد، کتاب: آوازِ دوست)

جو بچے ماں باپ کی خدمت کرتے ہیں، ان کا کہنا مانتے ہیں، ادب کرتے ہیں، وہ اس دنیا میں بھی خوش حال رہتے ہیں اور جب دوسری دنیا میں چلے جائیں گے تو ماں کی خدمت کے صلے میں وہاں بھی آسانیاں اور آسائشیں نصیب ہوں گی۔ ادب کرنا، احترام سے پیش آنا ایسا عمل ہے جس کا فائدہ اسی کو ملتا ہے جو ادب کرتا ہے۔ (مرسلہ: تہذیب فاطمہ ۔ ابوظہبی، کتاب: ہمارے بچے۔ ا)

شگوفے اور خار، پھول اور کانٹے اپنی ذات میں ایک محسوساتی طرز عمل ہیں۔ ردِّعمل طرز فکر کی نشاندہی کرتا ہے۔ طرز فکر میں ایمان، یقین، مشاہدہ موجود ہے تو آدم کی اولاد سکون آشنا ہے۔ طرز فکر میں بے یقینی، شک اور کورچشمی ہے تو زندگی کانٹوں بھری ایک سیج ہے، ہر کروٹ لہو لہو اور ہر سانس فنا ہے۔ (مرسلہ: عمر حیات ۔ مردان، کتاب: کشکول)

آدمی میں ہرگز یہ صلاحیت نہیں کہ وہ کسی چیز کو عدم سے وجود میں لاسکے۔ اس کی بڑی دوڑ یہی ہے کہ موجودات میں سے چند چیزوں کو ترتیب دے کر اس میں ایک نئی صورت پیدا کردے۔ جس طرح معمار عمارت تیار کرنے میں مٹی، اینٹ اور چونے کا یا بڑھئی تخت بنانے میں لکڑی اور لوہے کا محتاج ہے، اسی طرح ضروری ہے کہ شاعر بھی شعر کے ترتیب دینے میں ایسے مسالے کا محتاج ہو جو اینٹ، مٹی، لکڑی اور لوہے کی طرح نفس الامر میں موجود ہو۔ وہ مسالا کیا ہے؟ یہی دنیا کے حالات جو روزمرہ ہماری آنکھوں کے سامنے گزرتے ہیں۔ جس شاعر نے شعر کی بنیاد فرضی باتوں پر رکھنی چاہی، اس کی مثال اس معمار کی ہوگی جو عمارت کے لئے مٹی اور اینٹ کا ہونا ضروری نہیں سمجھتا بلکہ ایسے مسالے کو ضروری سمجھتا ہے جس سے عمارت تیار نہیں ہوتی۔
(مرسلہ: حمزہ منیر۔ کوٹلی، کتاب: دیوانِ حالیؔ)

اصل انسان "روح" ہے۔ پنڈت رگوناتھ سمجھاتے ہوئے بولا، اور اس فانی جسم کو چھوڑنے کے بعد ہی انسان کو اپنی حقیقت کا پتہ چلتا ہے لیکن روح دوبارہ مادے میں قید ہونا پسند نہیں کرتی کیوں کہ اس کے سامنے کائنات کی رنگینیاں ہوتی ہیں اور وہ اس کی بے کراں وسعتوں میں سفر کرتی ہے اسی لئے سدھارتھ بدھ نے کہا تھا کہ انسان کو چاہئے کہ نیکی کا راستہ اختیار کرے۔
(مرسلہ: سیما عارف۔ کوٹلی، کتاب: تلاش)

جب تک کوئی چیز ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نہیں پھیلتی، اس کا وجود مظہر نہیں بنتا۔ زمین کی یہ ڈیوٹی ہے کہ وہ ٹکڑوں کو ذرّات میں تبدیل کرے۔ یہ ذرّات ہی زمین کا کنبہ ہیں۔ مثال یہ ہے کہ ہم زمین کا ایک قطعہ تیار کریں اور اس قطعہ پر آم، بادام، انار، ناریل، چیکو، شریفہ، جامن، پپیتا، سیب، گنا، پھول، ترکاریاں وغیرہ کاشت کریں۔ جیسے ہی کسی ایک نوع کا بیج جس کو ہم نطفہ بھی کہہ سکتے ہیں، زمین کے رحم میں داخل ہوتا ہے، زمین اسے توڑ دیتی ہے اور بیج زمین کے ذرّات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ بیج کا فنا ہونا، بیج کا مٹ جانا، بیج کی اپنی حیثیت ختم ہو جانا دراصل زمین کے اوپر درختوں، پودوں، پھلوں اور پھولوں کا مظاہرہ ہے۔ (مرسلہ: مریم نصیر۔ کراچی، کتاب: موت و زندگی)

خواب تعبیر اور مشورہ

مدحتِ رسولؐ

شمس الاسلام، راولپنڈی: ہال میں دو میزیں ہیں۔ پہلی میز پر آٹھ سے دس لوگ ہیں، دوسری میز کے قریب بھی کچھ لوگ بیٹھے ہیں۔ ایسا لگ رہا ہے کہ یہ خاتم النبیین حضرت محمدؐ کی مدحت کی محفل ہے۔ خواہش ہے کہ میں بھی اس محفل میں نعت پڑھوں۔ ایک خاتون ہماری میز کی داہنی طرف آکر کہتی ہیں کہ لگتا ہے آخری نبیؐ تشریف لائیں گے — اتنے میں ایک صاحب رسول کریمؐ کے سامنے ادب سے آنکھیں بند کئے نظر آئے۔ میری بیگم بھی وہاں حاضر ہیں۔ میں دیدار سے مشرف نہ ہوسکا لیکن یہ احساس رہا کہ بندۂ ناچیز بھی رحمت کے حصار میں تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

تعبیر: آپ کو مبارک ہو۔ درود شریف پڑھنے کی برکت ہے۔ اس سے آخری نبی رسول اللہؐ کو خوشی ہوتی ہے کیوں کہ فرشتے درود شریف چھوٹے خوب صورت تھال میں رکھ کر حضور پاکؐ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ قرآن کریم کی آیات اور درود شریف جب خدمتِ اقدسؐ میں فرشتے پیش کرتے ہیں تو حضور پاکؐ ہاتھ رکھ کر قبول فرماتے ہیں۔ خواب بہت مبارک ہے۔ درود شریف کا ورد جاری رکھئے۔

دستک

قاضی کبیر احمد ہاشمی، اسلام آباد: دروازے پر دستک ہوئی۔ بیگم نے جاکر دیکھا تو ایک بزرگ تشریف لائے تھے۔ بیگم نے ادب سے سلام کرکے گھر میں آنے کی دعوت دی۔ بزرگ نے مجھ سے فرمایا، کچھ سامان لایا ہوں، باربرداروں کے ساتھ مل کر گاڑی سے اتار لو۔ میں نے باہر جاکر دیکھا تو یہ گھر کے لئے راشن تھا۔ بزرگ نے مزید باتیں بھی کیں۔

تعبیر: آپ چلتے پھرتے وضو بے وضو "یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم" کا ورد کیجئے۔ فجر کی نماز باجماعت ادا کیجئے اور نماز کے بعد چالیس منٹ سیر کیجئے۔ انشاءاللہ برکت ہوگی۔

خدمت

فرزانہ جاوید، کراچی: روحانی ہستی کو دیکھ کر ادب سے سلام کیا۔ انہوں نے شفقت سے جواب دیا۔ میں نے عرض کیا، آپ کے گھر کے قریب گھر لیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی میں خدمت میں حاضر رہنے کی درخواست کرتی ہوں۔ وہ اثبات میں جواب دیتے ہیں تو میں اپنے پوتا پوتی سے جو قریب کھیل رہے ہیں، کہتی ہوں کہ شور مت کرو بلکہ بزرگ کے آہستہ آہستہ پیر دباؤ تاکہ انہیں تکلیف نہ ہو۔ خواب ہی میں نیند سے جاگ کر بیٹی کو بتایا کہ میں نے خواب میں روحانی ہستی کو دیکھا ہے۔ یہ کہتے ہی آنکھ کھل گئی۔ معلوم ہوا کہ یہ خواب در خواب تھا۔

تعبیر: خواب مبارک ہے اور عقیدت کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو روحانی علوم کے حصول میں کامیابی عطا فرمائے — آمین۔ دن میں چلتے پھرتے وضو بے وضو یا حی یا قیوم پڑھیئے اور رات کو درود شریف پڑھیئے۔

کوشش

تصویر، کراچی: والدہ کے ساتھ رمضان میں افطار کی ڈیوٹی کے لئے عظیمیہ جامع مسجد، سرجانی ٹاؤن میں موجود ہوں۔ شام کا خوب صورت منظر ہے۔ ہم نماز پڑھ کر مسجد کے بیرونی حصے میں آئے تو بارش شروع ہوئی جو جلد تیز ہو گئی۔ ہم ایک طرف کھڑے تھے، وہاں ایک مشہور نعت خواں نظر آئے جو ہماری جانب دیکھ رہے تھے۔ ان سے کہا، انکل! دیکھئے کیسا نورانی سماں بندھ گیا ہے! یہ سن کر انہوں نے خوشی سے سر ہلایا۔ امی نے آواز دی تو ان کے پاس جاتے ہوئے آسمان کی طرف نظر گئی — دیکھا کہ مسجد کے ایک خاص حصے کی دیوار بہت اونچی ہو گئی اور اس میں سے تار نکل کر بادلوں کی طرف جا رہے ہیں۔ میں نے غور سے دیکھا تو مسجد نبویؐ نظر آئی اور پتہ چلا کہ یہاں سے نکلنے والے تار کنکشن ہیں جو مسجد نبویؐ تک جا رہے ہیں۔

تعبیر: خواب بہت مبارک ہے۔ جس طرح آپ نے دیکھا ہے، انشاءاللہ آئندہ اس کی منظر کشی ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آپ نے کوشش کرنے والا خواب دیکھا ہے۔ اللہ اس خواب کی تعبیر پوری کرے، آمین۔ والدہ اور والد کو سلام عرض کیجئے۔

دودھیا روشنی

ی م، گلشن اقبال: زمین کے اندر سفید لباس پہنے لمبے قد کی ایسی حسین خواتین کھڑی ہیں

جن سے دودھیا روشنی پھوٹ رہی ہے۔ زمین سے باہر ہاتھ نکال کر اشارے سے مجھ سے کہہ رہی ہیں کہ یہاں آؤ، ہم مدد کریں گے۔ پھر بزرگوں کو پہاڑوں کی شکل میں دیکھا۔ وہاں سے بڑے بڑے ہاتھ باہر آکر مجھے بلاتے ہیں۔ جب میں قریب گئی تو انہوں نے ہاتھ ملایا۔

تعبیر: ہر جگہ ذات کا تعارف صلاحیتوں کی بنا پر ہے۔ مثال مشہور ہے کہ بلّی کو خواب میں چھیچھڑے نظر آتے ہیں۔ الجھے ہوئے ذہن میں ایسے نقوش مرتب ہوتے ہیں جن کا سر پیر نہیں ہوتا اور جب خیالات کی منفی تکرار ہوتی ہے تو دماغ بوجھل ہو جاتا ہے اور اس بوجھ کے غلیظ پردے میں کثیف خیالات آتے ہیں۔

اولی الالباب خواتین و حضرات کو اس بات کا علم ہے کہ آدمی کا ذہن ایک اسکرین ہے اور اسکرین پر آبادی، خیالات کا عکس ہے۔ عکس کا مطلب illusion یا reality دو ایسے عنصر ہیں جیسے ریل کی دو پٹریاں۔ حافظے میں موجود اس خیالی دنیا کے دو رخ ہیں۔ ایک رخ وہ خیالات ہیں جو غم، بغاوت، بیزاری اور ناامیدی کے نقوش ہیں۔ دوسرا رخ مسرت و شادمانی، خوشی، قناعت، یقین اور ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ مخلوق کا رشتہ ہے۔ اس بات کو صوفیائے کرام نے قرآن کریم کی روشنی میں واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔ پریشانی، بدحالی، مایوسی، غصہ، بخل، ضد، انتقام، ذہن چوری، کبر، غیبت، فرائضِ منصبی پر عمل نہ ہونا، اچھائی اور برائی کے درمیان نتائج کی طرف سے قطع نظر کسی ایک رخ کو قبول کرنا۔ قبول کرنے کے بھی دو رخ ہیں۔ ایک رخ میں الٰہی تعلیمات، پیغمبرانِ کرام کی سنت اور لوگوں کا اچھا کردار ریکارڈ ہے، اللہ سے قربت، ایمان بالیقین، مشاہدۂ حق اور اعمالِ صالحہ، علیین کی زندگی پر عمل اور وحدۂ لاشریک رب العالمین سے قربت ہے۔

خواب کی تعبیر اچھی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کو اس پروگرام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو اعلیٰ علیین ہے۔ قانون یہ ہے کہ ہر عمل خیال کے تابع ہے اور خیال زندگی کا ریکارڈ ہے۔ ہر علم عمل سے آتا ہے اور علم سیکھنے کے لئے استاد کی ضرورت ہے۔

دو خانے

عزیزہ بیگم، کراچی: گھر سے باہر آکر ایک گلی میں موجود بڑے گھر میں داخل ہوئی تو سامنے کمرے میں بڑی میز کی دوسری طرف ایک

بزرگ تشریف فرما ہیں۔ چہرہ اتنا روشن ہے کہ نظر نہیں ٹھہر رہی۔ انہوں نے مجھ سے اس سبق سے متعلق سوال کیا جس کی وجہ سے مجھے روضہ رسولؐ کا دیدار ہوا تھا۔ عرض کرتی ہوں کہ درود شریف کی بدولت یہ نعمت حاصل ہوئی تھی۔ اچانک کوئی خاتون کمرے میں داخل ہوئیں اور زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔ آوازیں سن کر کچھ مزید خواتین اور ایک بزرگ تشریف لائے۔ خاتون خاموش نہیں ہوئیں تو یہ دیکھ کر دونوں بزرگ وہاں سے تشریف لے گئے۔

تعبیر: آپ کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے اوپر یقین کی دنیا روشن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو یقین کی دنیا کا شہود عطا فرمائیں۔ ہر بندہ کمزور ہے۔ کمزوری سے مراد وہ تمام باتیں ہیں جن میں وقت ضائع ہوتا ہے اور دوسرے کی دل شکنی ہو سکتی ہے۔ رات کو سونے سے پہلے سورہ فاتحہ پڑھ کر اپنا محاسبہ کیجئے۔ ایک خانے میں وہ سب اعمال لکھئے جن سے ضمیر مطمئن ہوتا ہے اور دوسرے خانے میں وہ تمام باتیں لکھئے جو ذہن میں تکدّر پیدا کرتی ہیں اور جن کو ضمیر پسند نہیں کرتا۔ دعا ہے کہ اللہ ہم سب کو ذہنی سکون عطا فرمائے اور غیبت کے مذموم فعل سے محفوظ رکھے، آمین۔

فریبِ نظر

کلثوم بی بی، لیاری: والدہ محترمہ بیٹھی ہیں، ان کے بال کھلے ہوئے ہیں۔ میں کسی کام میں مصروف ہوں۔ وہ کہتی ہیں کہ میرا بخار چیک کرو پھر قدرے ناراضی سے کہتی ہیں کہ تم میرا نہیں پوچھتیں۔ میں جلدی سے قریب جا کر کہتی ہوں، ابھی آپ کا بخار دیکھ لیتی ہوں۔ پھر ماتھے پر ہاتھ رکھ کر کہتی ہوں، آپ کو بخار نہیں ہے۔ اب میرے ہاتھ میں ایک مشین ہے جو موبائل فون سے ملتی جلتی اور الٹرا ساؤنڈ کی طرح ہے۔ خود کو اس مشین میں دیکھتی ہوں تو امی بھی مجھے غور سے دیکھتی ہیں۔ میں کہتی ہوں کہ امی! مجھے کوئی بیماری نہیں۔ امی نے کہا، ڈاکٹر ایسے ہی ڈرا دیتے ہیں، تم ڈرنا نہیں۔ پھر میں بھابی سے کہتی ہوں کہ ڈاکٹر نے دوا کا کورس دیا ہے، چیک اپ کرا لیتے ہیں۔

تعبیر: خواب الجھے ہوئے خیالات کی فلم ہے۔ مختصر یہ کہ دنیا الوژن (فریبِ نظر) پر قائم ہے۔ گھر کا ماحول پُریقین نظر نہیں آتا۔ فجر کی نماز کے بعد قرآن کریم توجہ کے ساتھ پڑھئے اور ترجمے پر تفکر کیجئے۔ اللہ تعالیٰ ہم

سب کو خاتم النبیینؐ کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

پنکھا

شاہین شہناز: والد مرحوم کا دروازے کے بغیر ایک بڑا کمرا ہے۔ زمین کا فرش کچا ہے اور اس میں بِل جیسے سوراخ ہیں۔ کمرے کے وسط میں چارپائی پر ان کے لئے صاف ستھرا بستر ہے جس کے سرہانے چھوٹا پنکھا لگا ہے۔ وہ کمرے میں داخل ہوئے تو مجھے دیکھ کر فرمایا، آپ آئی ہوئی ہیں۔ میں نے عرض کیا، ابو جی! پنکھا گرنے سے آپ زخمی ہوسکتے ہیں اور کمرے کا فرش کچا ہے جس کے سوراخوں سے سانپ نکل سکتے ہیں۔ انہوں نے اطمینان سے جواب دیا، یہ پنکھا چارپائی کے ساتھ لگا ہوا ہے اور اس کی ٹھنڈی ہوا سے مجھے بہت سکون ملتا ہے۔ یہ میرا گھر ہے، یہاں سانپ نہیں نکلتے۔

تعبیر: خیالات سب کو آتے ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ جب آدمی سوجاتا ہے تو خواب میں بھی خیالات کا تسلسل جاری رہتا ہے۔ خواب ظاہر کرتا ہے کہ آپ سے کوئی ایسا عمل سرزد ہوتا

ماہنامہ قلندر شعور اگست 2023ء

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر

پورا نام:.. والدہ صاحبہ کا نام: ....

پورا پتہ:..

ازدواجی حیثیت:.......................... وزن (تقریباً): .... آنکھوں کا رنگ..........................

نیند کیسی آتی ہے:.......................... بلڈ پریشر (نارمل/ہائی/لو):.......................... تاریخ پیدائش:..........................

میٹھا پسند ہے یا نمکین چیزیں زیادہ مرغوب ہیں؟.......................... فون نمبر..........................

خدانخواستہ دماغی، نفسیاتی مرض اور وہم کے مرض میں مبتلا ہوں تو ضرور لکھیں: ہاں / نہیں

مختصر حالات : ....

....

ہے جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ حقوق العباد کی ایک طویل فہرست ہے جو کتابوں میں درج ہے۔ رات کو سونے سے پہلے غسل کر کے سفید کپڑے زیب تن کیجئے اور سورہ یوسف کی ابتدائی گیارہ آیتیں پڑھ کر کان کے نیچے ہاتھ رکھ کر کروٹ سے لیٹیئے اور سو جایئے۔

اصلاح

فرزانہ، گیلان آباد: ایک عزیزہ کے گھر سے واپس آرہی تھی کہ ایسا لگا میری زبان کٹ گئی ہے اور اس پر کچھ نکل آیا ہے۔ میں زبان چبانے لگی۔ خیال آیا کہ ڈاکٹر میری زبان کاٹ دیں گے تو میں بول نہیں پاؤں گی۔

تعبیر: خواب کے نقوش ظاہر کرتے ہیں کہ خواب دیکھنے والی صاحبہ غیبت میں مبتلا ہیں۔ غیبت کرنے والا اپنے بھائی کا گوشت کھاتا ہے۔ ہر وقت باوضو رہیے۔ دن میں یا حی یا قیوم اور رات کو سونے سے پہلے سیرتِ طیبہؐ کا مطالعہ کیجئے۔ جو پڑھا ہے، اس پر تفکر کرتے ہوئے سیدھی کروٹ سو جایئے۔

دستِ غیب

ولیہ شمامہ بنتِ اسدؒ چھوٹی تھیں تو اکثر غائب ہو جاتی تھیں۔ ڈھونڈنے سے کسی درخت کے نیچے یا ویرانے میں ملتی تھیں۔ ایک دفعہ والدہ کے ساتھ جارہی تھیں کہ والدہ نے چلتے چلتے پیچھے دیکھا تو بی بی شمامہؒ غائب تھیں۔ گھر جا کر دیکھا تو وہ کمرے میں لیٹی تھیں۔ دس سال کی عمر میں تہجد پڑھتی تھیں، انہیں غیبی آوازیں آتی تھیں۔ شروع میں گھر والے فکر مند ہوئے لیکن جلد یقین ہو گیا کہ شمامہ، اللہ والی ہیں۔ گھر والوں نے رشتہ داروں میں شادی کر دی۔ کچھ عرصے بعد بیوہ ہو گئیں۔ اس کے بعد گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ خواب میں آپ کو خاتم النبیین سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا،

”مخلوقِ خدا کو فیض پہنچاؤ۔“

بی بی شمامہؒ نے لوگوں سے ملنا شروع کیا اور اللہ کی مخلوق کی خدمت میں مصروف ہو گئیں۔ ایک شخص حاضر ہوا۔ کہنے لگا، بی بی صاحبہؒ! مجھ پر رزق تنگ ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا، تمہارے گھر بیٹی پیدا ہوگی، اس کا نام خدیجہ رکھنا۔ اس شخص نے خدیجہ نام رکھنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا، خدیجہ نام رکھنے سے خوش حالی اور رزق کی فراوانی ہوتی ہے۔ (کتاب: ایک سو ایک اولیاء اللہ خواتین)

i

Time

Time is Almighty God's command of "*Kun* (Be)" upon the entirety of existence to "Be" as He wills.

> "Glory be to Him! When He decreeth a thing, He saith unto it only: Be! and it is." (Quran, 19:35)

When God passed the ordinance to "Be", everything that we call the past, present, and future, came into existence. Every beginning and end birthed out of *Kun*.

In the eyes of the ignorant, time is nothing but their limited lifespan in this material world. They assume their life in the illusory world as the only time they have and struggle to make the most of it. They curse time when things do not work in their favor and complain, "My time is bad." They also demonstrate anger and seek revenge through time when they say, "Wait till my time comes!" Mankind also grieves that their time is up when it is time to exit the material world. They associate time with sadness and loss of opportunities too and say, "I did not have enough time to do what I wanted." Time to them is limited to their experiences in their material existence.

On the other hand, the wise know that they cannot cognise God through a mind constrained by the limits of time and space, and hence strive to remain unaffected by the upheavals of time and space by remaining in the company of the Mighty Creator Who is beyond time and space. They negate the interpretation of time as their individual existence and experience the bliss of infiniteness and timelessness by being in the presence of God at all times. The friends of God know that no matter which realm they may reside in through the unfolding of *Kun*, in the unchanging state of souls, they are in a state of surrender before their Most Merciful Creator.

They arrive at a greater awareness of time as elaborated in the Hadith. Prophet Muhammad (PBUH) says, "Let not any one of you say, 'Woe to time,' for God is time."

old character that is cleared from my heart, I look forward to seeing the new upgraded version of my life." She thought of this excitedly as she adjusted her seat and focused on breathing slowly and steadily.

She was once again on the stage and could see a long queue of characters. She had stored them all in her heart as there was unfinished business between them. Either she wanted to 'React' to them and get her vengeance or they wanted to 'React' and get back at her. Some were excruciatingly painful to see, but it was time to clear her heart. She realised; she was not who she thought she was. She was only sent on the stage of life to be the best version of herself, even in the worst of times. She had to find the courage to 'Act' instead of 'React' in every moment.

Standing before her was her best friend from school. She looked the same as she stepped on the stage. The friend played her role. She was laughing and jeering at her, "Look at you! You are so fat and ugly! You are meant to be a servant girl, not a princess. Cinderella is not a true story. Look at me. You can never match my classiness or my beauty. I have you around me not because I love you or because you are my friend, it is because your ugliness makes me more beautiful."

She looked at both her scripts, chose to 'Act', and replied, "Indeed you are beautiful. I am happy I was of use to enhance your beauty. In time, I will also learn ways to find the beauty hidden in me too. You are only pointing out my deep inner fears. I feel fat and ugly and hence you feel the same about me. You have taught me not to put myself down. I will make myself fit again. I will support myself to feel beautiful again. Thank you, my dearest friend for reflecting the demons inside me. You are indeed a true friend."

She saw that the character smiled at her, walked right up to the fire bin, and dumped the script that was in her hand into the fire. "One down!" she exclaimed with joy. There was so much peace inside her heart. The heart knew she was aligned.

After clearing many of the characters from the queue, she asked her heart, "Will I lose all of the old characters, and will I attract new ones?"

"No. Some come back as characters in our life, but their versions would have changed too. Our 'Actions' will cause a transformation in them and our dynamics with each other will be positive and improve for the better," the heart replied

Sweep the heart clean,

Let the soul in and lean.

The walls of the heart,

Purified for a new start.

Whispers of truth,

Echoing the heavens and earth.

❁ ❁ ❁

iii

know." her heart whispered.

She focused and saw her friend walk onto the stage, "You have never been there for me. I needed you so much by my side, but all you cared about was your studies and classes. You do not like me."

Hearing this, her old wounds opened up, and the intense pangs of hurt decided to 'React', and she started defending herself. When she was done, the character walked away and handed the same script to another friend who was scheduled to arrive on the stage after a while. When that friend arrived on stage and shared that she was disappointed with her, this time she chose to 'Act' and sat the friend down, listened to her point of view, and did whatever she could to make her feel better. She was honest and compassionate and made her friend smile and laugh. She then saw that the friend smiled her way off the stage and dumped her script into a fire bin.

She noticed a new slot of characters open up, spiritual seekers were all set to step onto the stage and replace her old friend circle. They would change the dynamics between her and her friends from now on. The seekers were now her new friends. The heart spoke up, "Go on. What would you tag your conversations with friends now?"

With a smile and a happy heart, she said, "I tag them – focused and passionate."

"Well done then! You seem to have changed the type of friends you will attract from now on. By being in a 'Reaction' mode, you attracted friends who were troubled and stressed, but by being in the 'Action' mode, you have now attracted focused and passionate friends." The heart related happily.

"Oh my!" she exclaimed again. "I cannot believe what I saw. It is very clear though. When I decide to 'React' and make everything all about me, the script and characters are carried forward, and they keep coming into our lives again and again in one way or another. However, when I decide to 'Act' and make it about others, and serve their needs, the script and characters change. And they come in with higher values and positive influence."

"Indeed!" said the heart. "If you want to see a change in your life, then you must change first. Try screaming at an automated toy to stop and change its actions, it will be non-responsive because they are programmed to say and do the same things. However, when you choose to 'Act' instead of 'React', your stage of life is instantly upgraded."

"So, what should I do next?" she asked rather excited.

The heart replied with love, "Clean the heart and allow no one but your soul to reside in it. But for this, you need to 'Act' upon the pile of characters you have stacked inside me, your heart."

"I am ready. Bring them on the stage. I will 'Act' and set myself free from them. And with every

came into our life?" the heart asked her.

She nodded and started scanning her day and finally slotted the people in her life as, parents, in-laws, siblings, her spouse, children, friends, and neighbours.

"Now that you have found your slot of characters, why don't we summarise the conversations and tag them with words?" The heart set out to give her the next exercise.

She took a deep breath and began to tag her conversations, "Parents – lonely and old, children – independent and distant, spouse – busy and dutiful, friends – troubled and stressed, siblings – lost and self-centered, neighbours – uncaring and cold."

The heart coaxed her again, "Come now, tag the conversations that you had with these slots of people in the last week, and see if there is any change in them."

She went over the slots and tags for the entire week and exclaimed, "All the days are the same. There is no change. We had the same conversations, same actions… the same everything!"

"Okay then, why don't you go back into your memory of a few months ago and tag your conversations with the same groups of people?"

Taking a deep breath, she focused and eventually realised that the tags remained the same. It seemed like she was living the same day repeatedly without realising that the days, weeks, months, and years had passed by whilst living life in repeat mode. Everything that was happening was in variations but nothing was changing at the core. Her parents were constantly talking about how they were old and lonely for a long time now. Her children had always been independent and distant even when they were under the same roof and wanted as little advice from the elders as possible. Her friends were always and forever in trouble and stressed and constantly connected with her to discuss them. She did not have to wait long before the light of awareness beamed down upon her, "What is this? Am I living in the same loop of conversations and circumstances? The characters seem to be the same, only the people who play the character seem to be changing. When one person leaves, someone else fills the slot. What is happening here?"

This time, the heart quietened her, "Shhh. Watch your life as a spectator. What do you see?"

She focused on her heart once more and then replied in a soft tone, "I am on stage. I have two scripts in my hands. On one it is written 'Action', while on the other is written 'Reaction'. Periodically, the characters from the slots are sent onto the stage to play their part, they also have two scripts each with the same headings. When they interact with me, I can choose to 'Act' or 'React'."

"Watch what happens when you choose to 'React' and let me

Act — React

She was only sent on the stage of life to be the best version of herself, even in the worst of times. She had to find the courage to 'Act' instead of 'React' in every moment.

There she was, mirroring her demons in others. At first, it seemed like some of those around her were troubling her, hurting her, offending her, and causing her pain and anxiety. One day, having arrived at the threshold where she was tired and could take no more of the stressful environment around her, she decided to retire with her aching heart in the quiet of her room. She drew the curtains and sat in a comfortable position. Her heart was pounding, "Shhh. Just give me a moment to settle down dear heart, I am here to listen to you." She gently stroked her heavy heart, as she spoke.

Taking a few deep breaths, she watched her whole body loosen up and soon, it was ready for the journey of introspection.

"Ok now. I am ready to listen. What is it that is troubling you?" she asked her weeping heart.

"Why don't you see? There is nothing or rather there is no one in this world who you should invest me, your heart upon. I am the temple of your soul. Why do you not see that this life is all about you and me."

She felt a few tears roll down her eyes as she said, "There is no one, but you and me in this world? What does this mean, dear heart? Don't we have parents, a spouse, siblings, children, friends, and neighbours?"

"Oh! We do have all of them, however, not in the way that you think. They are characters on the stage of life set for you and me. Do you remember the room of toys when you were a child of five years?" her heart asked.

Her thoughts instantly took her back to her childhood playroom. It was filled with toys. In those days, technology was not so advanced. Her set of toys was handmade in clay or wood. Among them were about three or four toys that could be wound with a key and released to make certain sounds and movements. Some swirled round and round, while others clapped their hands again and again, and others jumped and hopped all over the place – all of them repeated their actions continuously.

"Oh my!" she exclaimed. "Are all these people or characters, the toys in our playroom called life? They seem to repeat their behaviour, words, thoughts, intents, towards us, over and over again like the toys that turn on when their keys are wound…"

"Indeed. Why don't we run through our day yesterday and classify the people or characters that

ماہنامہ

روحانی ڈائجسٹ

کراچی

یہ پرچہ بندہ کو خدا تک لے جاتا ہے
اور بندہ کو خدا سے مِلا دیتا ہے

چیف ایڈیٹر: خواجہ شمس الدین عظیمی

مینیجنگ ایڈیٹر: ڈاکٹر حکیم وقار یوسف عظیمی

روحانی ڈاک میں آپ کے مسائل و مشکلات کا حل پیش کیا جاتا ہے۔

شعور کے پس پردہ لاشعور کی حقیقت کی پردہ کشائی کی جاتی ہے۔

خواتین کی زندگی کو پُرکشش، پرسکون بنانے کے لئے مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔

بچوں کے لئے کہانیاں اور بہترین مستقبل کے لئے راہنما اصول بیان کئے جاتے ہیں۔

دین و دنیا کی خوشی حاصل کرنے کے لئے روحانی ڈائجسٹ ہر جگہ دستیاب ہے۔

V

In the book, 'Muhammad (PBUH) – The Seal of the Prophethood', many subtle notions and secrets of the voice have been laid bare:

"Waves travel a certain distance by moving upward and downward, and this distance between two highs or two lows is called its wavelength. In a wavelength, one movement is upward while the other is downward. One upward and downward movement completes a cycle. The number of cycles completed in one second denotes the frequency of the wave. The longer the wavelength, the lesser its frequency. The shorter the wavelength, the stronger its frequency. If the frequency increases to an extreme point, it becomes a ray, or wave of radiation, which travels in a straight line. Owing to their low wavelength and high frequency, these waves of radiation or rays have the capacity to pass through any medium."

Shah Waliullah (RA) has explained how the birds worshipped alongside Prophet David (PBUH). He says that when a lofty powerful soul is filled with a certain feeling, the people and the atmosphere around them cannot help but be infused with the same feeling. When a powerful soul communicates with a stone or tree and can hear their stories, the same power (of perception) is transferred to the people around them too, and they too can hear the stories."

This excerpt must be read thrice at least with the utmost attention. If each point of this excerpt is read separately and researched, by Grace of God, the secret of the voice that conquers the environment will be revealed.

The cuckoo pulls the strings of the heart when it coos but the Divine has blessed us with a voice sweeter and more melodious than the cuckoo. The key to unlocking that secret is present in this article.

A *Sufi* witnesses God in everything around them, whether it is in the external world or inside them. Being gripped by dire circumstances that are like a turbulent sea or being blessed with tranquility makes no difference to them, as a *Sufi* remains in the presence of God and in the state of witnessing and beholding Him at all times. The literal meaning of Sufism is 'self-purification'. The process of self-purification is unattainable without one's devoutness being aligned to the *Noor* (a stage of Divine light) that is within them. A Sufi remains immersed in the thoughts of God, converses with Him, and goes on to sacrifice and give up their life in His name, in His service and in the service of His creations.

This research fascinated me for a considerable time. It is truly remarkable how wise birds can be, isn't it? Their wisdom is awe-inspiring! This stirred something within me, and a torrent of questions surged through my mind like a bubbling stream, generating an unending series of inquiries.

- Why are we surprised when we come across information related to the life of animals and birds?
- Are we unaware of our environment?
- Do we not consider them as creations just like us?
- Why do we perceive all the sounds of birds to be the same? After listening to their melodies, it becomes apparent that they live a social life full of emotions and feelings too.

Birds and animals are creations too. They live a full life involving an entire spectrum of activities from mundane social affairs, to worshipping God with complete attention.

Mankind is entranced by the melodies of birds, and why should they not be? God infused their voices with such melodies! It is strange though, that mankind is lost and remains unaware of their own voice. They sit down and listen to the melodies of birds, while on the other hand, birds fly away as soon as mankind speaks. Does this not invite us to be introspective?

There is no disruptiveness, adulteration, or insincerity in birds. They do not rebel against their inherent nature and are devoid of deception and falsehood. This is why they have a magnetic pull in their voice, which attracts listeners towards them like a moth to flame. No matter how melodious we sound, the birds do not feel it because they instinctively smell the disobedience and rebellion that we reek of all the time. This is why, they fly away as soon as we approach them.

Mankind is a specie that God created superior to all – the best of all creations. They have a voice inside them that is supreme and greater than all other voices.

There is mention of Prophet David (PBUH) in the Holy Quran.

Prophet David (PBUH) had a very melodious voice. Whenever He recited the Zabur, running water would turn static, flying birds would cease their flight and sit around him, and the mountains along with birds and animals would praise the Lord in sync. It is written in Quran:

> "We truly subjected the mountains to hymn, Our praises, along with him in the evening and after sunrise. And We subjected, the birds, flocking together. All turned to him, echoing his hymns."
>
> (Quran, 38:18-19)

trim them regularly. Despite this, the sparrows and pigeons do not come closer to me. Forget being familiar with me, for some reason they fly away as soon as they catch sight of me. What am I lacking or missing that makes me unworthy of their companionship? Why do they not accept the vibes of friendship that I transmit?"

The honourable Mr. Azeemi responded,

"Your voice has rebellion in it. There is disruptiveness, a backbiting nature, and anger in it too. The voice that you think is yours, is not your real voice. In fact, it is imbued with all the dominant shades that run contrary to the set patterns by God. Negate your habits and by the Grace of God, you will be able to understand the language of the birds."

Reading this article gave me my answer. There is no disruptiveness, adulteration, or insincerity in birds. They do not rebel against their inherent nature and are devoid of deception and falsehood. This is why they have a magnetic pull in their voice, which attracts listeners towards them like a moth to flame. No matter how melodious we sound, the birds do not feel it because they instinctively smell the disobedience and rebellion that we reek of all the time. This is why, they fly away as soon as we approach them.

If you want to produce a sound that strikes the ears like a melody, you must have a chest that breathes free of any impurity i.e., free of all negative emotions. The melodies of birds only resound in environments that are healthy and close to nature. Instinctively birds reject any environment that is filled with the air of discord. If the atmosphere around one's home is devoid of the melodies of birds, one must take a moment to reflect upon it, as it is a tragic moment that requires introspection from the inhabitants.

In their ongoing pursuit of understanding the encoded messages within the voices and sounds of birds, researchers persist in conducting experiments. One such experiment focused on deciphering the sound emitted by a sparrow as it hovered around its nest. To capture the sparrow's voice, highly sensitive voice recorders were strategically placed, allowing for the categorisation of the highs and lows of the sound wave. Subsequently, the recorded sound was played near the sparrow's nest, aiming to uncover any hidden messages within it. Surprisingly, upon hearing the recorded voice played back, a sparrow emerged from the nest, actively searching for the sparrow to whom the voice belonged. Based on this observation, experts deduced that the voice carried a hidden message of help.

Upon playing a different recording, all sparrows in the vicinity began creating a commotion, revealing that the recorded sparrow's voice signaled danger. Consequently, the sparrows promptly departed from that location.

truth is that you are not reading it directly; instead, someone within you is reading this story and is creating a visualisation on the screen of your mind, which you then witness. If you are willing to take a wild guess – how long do you think this entire process takes?

Waves are the foundation of this universe and voice is the vibration that generates as a byproduct of the movement in these waves. When there is movement in the waves, the voice or vibration travels in circular movements similar to the ripples created in water when a stone is cast into a pond.

Experiment:

Throw a stone in a body of water and observe how circles are formed, and how they terminate their movement upon hitting an edge.

Movement produces vibrations, which subsequently generate pressure within waves. A voice reflects the state of pressure that is present in waves and is generated after experiencing friction or collision with other objects. Our ears detect voices as soon as the sounds come out of our throats i.e., as we speak. This occurs because there is an unseen entity within the seemingly empty space, that is not only hit by the waves but also lets the waves travel through it. Consequently, when the waves collide with this entity, it creates an echo that reverberates in all directions.

One's voice mirrors their emotions. Harsh sounds convey emotions such as fear, anger, revenge, jealousy, and hatred, while melodious sounds evoke feelings of conviction, fearlessness, forgiveness, happiness, and love.

According to research and scientific contemplation, it is commonly stated that the harmony found in a bird's chirping can be attributed to a unique organ called the Syrinx. This organ is exclusively present within the chest of birds and is absent in any other species within the animal kingdom. The Syrinx functions as a vocal organ for birds, enabling them to produce harmonious melodies. While animals possess the Larynx as their voice organ, birds have both the Larynx and the Syrinx. However, when birds chirp, they utilize the Syrinx, which is located deep beneath the Larynx.

During my quest to uncover the cause behind the melodious songs of birds, I stumbled upon a column titled, *'Your Problems and Their Solution from Parapsychology'* in the monthly publication, *Qalandar Shaoor*. In the magazine's December 2021's edition, I read a query in this column titled as 'The Birds' Chatter'. It was written:

"I love spending time with plants and birds and looking at the stars in the sky at night. I want them to indulge in long conversations with me and wish I could understand what they are saying. I put out millet and water for the birds, take good care of plants and

i

The Power of Voice

I wrote this article, and you are reading it, or so it may seem. The truth is that you are not reading it directly; instead, someone within you is reading this story and is creating a visualisation on the screen of your mind, which you then witness.

In the summer, during the mango season, there is a unique contrast that can be observed. On one hand, the weather is naturally hot, however, on the other hand, the sweetness of mangoes cools the body in unparalleled ways. No other fruit can rival its ability in this regard. Yesterday evening, while I enjoyed mangoes on the terrace, I heard a cuckoo cooing nearby. The sweetness of the mangoes delighted my taste buds, while the melodious voice of the cuckoo delighted my ears. In the scorching heat of summer, the combination of sweet flavours and soothing sounds can completely transform one's mood and expressions. But what is it about sound specifically that evokes feelings within us without the need to taste it?

The chirping of birds, the melodious sound of a flute, the rhythmic sounds of sea waves, and all the various other sounds that surround us all have a distinct impact on us. For instance, a flute plays songs of parting from a beloved, the melodies sung by birds make us feel light-hearted, and the waves of the sea narrate tales of separation. It is intriguing to note that all these meanings are assigned by individuals themselves, influenced by the emotions that stir within them. A person in a state of sadness perceives sadness in everything around them. Conversely, a happy individual equates the restless waves of the ocean to a blissful union with their Beloved.

If analysed with care, it can be seen that everything here is in restless pursuit of union with the Beloved, and hence, it is constantly in movement. However, once one attains the state of union, they are liberated from the shackles of the world and remain in bliss at the destination.

The journey of life begins with sound and concludes with sound. The sound of "*Kun* (Be)" awakened all souls from their deep slumber, while the sound signaling the day of judgement will bring eternal slumber to the universe. The sound that is situated between these two points rests upon strings. The article that you are currently reading, is a voice. I have written this story after having listened to the voice. Voice is a source of identification. In fact, the initiation and sustenance of identity thrives on the power of voice.

I wrote this article, and you are reading it, or so it may seem. The

to what we see and to the world of the moon and stars that we are aware of? Whatever we assert is nothing more than an assumption, and yet, we think that we know. The most astonishing fact is that when we proclaim that mankind knows something or another, we do not ever think about whether there is any truth in these claims or not."

He further said, "Try to understand what I shared and see the extent to which the knowledge of mankind is crippled. Despite possessing only fragments of knowledge on a matter, mankind believes that they know too much. These things (angels and jinn) are at far distances. Direct your attention also to those aspects that are always within the experience of mankind. For instance, the daybreaks – what is this creation that we call 'daybreak'. We do not know. What does 'daybreak' mean – we do not know. In response to being asked what day and night are, they only say, 'This is the day, and the night follows after it.' This is the only experience of mankind."

"Dear Raghu Rao! Think! Will those of solemn nature be satisfied with this answer? Day and night are not angels, nor are they jinn, yet, no person can deny that they are manifestations. You can only say that we believe in day and night, because our sight observes them. However, one must understand that thinking also works along with sight. If one's thinking does not work along with their sight, then they will not be able to articulate anything about what they see. The function of sight and thinking are apparent. In fact, all functions are forms of contemplation. Sight is a mere voiceless halo; it is only through thinking that one's experiences come into action. Perceive all your senses through sight; you will notice how all of them are voiceless, deaf, and blind. It is contemplation that gives the senses the ability to hear and see. Although the senses are perceived to be different from contemplation, they have no existence without contemplation. Mankind is contemplation, angels are contemplation, and the jinn are nothing but contemplation too. Similarly, every cognisant consciousness is also contemplation."

his mind in that very instance. Even without giving any deliberate attention, his unintentional presence had a profound impact on people. Many people shared that they felt tremendous benefits from this very pattern when with Baba Tajuddin (RA).

It was a common occurrence that when certain thoughts arose in the minds of a few individuals in gatherings, Nana Tajuddin (RA) instantly replied to them. Though he had to think before he spoke in Urdu, his words had a certain emphasis whereby those before him understood their essence instantaneously.

• • ——————— • •

Marhata Raja Raghu Rao held an exceptional reverence toward Nana Tajuddin (RA). He was inclined towards hidden knowledge and had the ability to attain benefits from it. It is important to recount a few incidents that occurred between Raja Raghu Rao and Nana Tajuddin (RA) in my presence. During these encounters, other individuals asked questions too and the entire gathering benefitted from Baba Tajuddin's (RA) answers.

Once Maharaja posed a question, "Baba Sahib! Creatures that are unseen, such as the angels or jinn, are regarded as 'continuous streams of information'. References to these creatures are found in all Divine Books. Every religion has shed light in one way or the other on the existence of evil spirits. However, the absence of a rational or knowledgeable explanation leaves intellectuals wondering, and they stop pursuing it further, saying that they understand the truth. The experiences that people are aware of, are those experienced by individuals and are not a collective observation. Could you please shed some light on this matter?"

The insights shared by Nana Tajuddin (RA) on this matter, are not mere casual remarks, rather, as per my understanding, they are a compilation of knowledge ingrained in his very being. For those who are insightful, these discourses hold great significance. What one must observe is how the thought process used to expound these matters are immersed in the secrets of nature. When this question was raised, Nana Tajuddin (RA) was lying down, and his gaze was focused upwards.

He shared, "Dear Raghu Rao! From the time of our birth, we have been observing the constellation of stars. There are hardly any nights when we have not looked toward the sky. Interestingly, it is always said that 'The stars are in front of us', or that 'We are looking at the stars'. We are aware of the celestial worlds, however, what is the explanation

Shehanshah Haft Iqleem
Nana Tajuddin Nagpuri RA

Author: Abdal-e-Haq Huzoor
Qalandar Baba Aulia RA

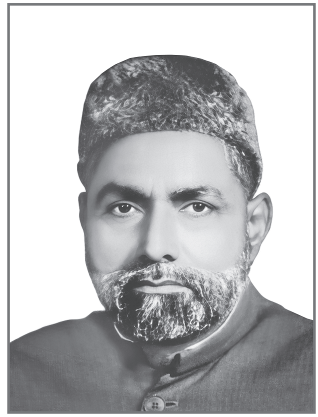

This is a brief description of how the friends of God think and what the main objectives of their talks are. The details of the wonder-working of Nana Tajuddin Nagpuri (RA) were first documented in a compilation written in Gujarati. Subsequently, manuscripts derived from the compilation in Gujarati were published in Hindi and Urdu. Though the experiences related by the followers continued to grow, none of details were focused on the vital, 'hidden knowledge' that included Nana Tajuddin's (RA) inclination, teachings, and the secrets of nature.

In his gatherings, he spoke not just on specialised matters, but also on general situations. Nana Tajuddin (RA) shared key points that would directly align with the depths of the laws of nature. At times, through mere signs, he shared things in which there was scientific reasoning for the wonder-working, and the sketch of the principles behind these wonder-working would appear instantly before the eyes of the listeners. At times, it seemed like waves of lights were being transferred into the minds of those who were listening to him. There were also times when he would sit in extreme silence, and the minds of the participants would understand and feel everything that was going on in

Contents

Every Consciousness is Contemplation	Abdal-e-Haq Huzoor Qalandar Baba Auliya[RA]	138
The Power of Voice	Khalida Zubair (M.Sc.Botany)	135
Act — React	Bibi Anuradha (UAE)	129
Time	Bilal Ahsan	125

"Gratitude is making the best use of the blessings bestowed upon us by God, and Patience means that one remains satisfied and contented."

Vol11 Issue7	August 2023	Muharram - Safar 1445AH

بسم الله الرحمن الرحیم

Monthly Karachi

Qalandar Shaoor

Neutral Thinking

(Urdu — English)

Patron in Chief

Huzoor Qalandar Baba Auliya[RA]

Chief Editor

Khwaja Shamsuddin Azeemi

Editor

Hakeem Salam Arif

Circulation Manager

Muhammad Ayaz

Furnished by Azeemi University Press. Shah Alam Azeemi, the Publisher has published it at Ibn-e-Hasan Offset Printing Press, Hockey Stadium, Karachi and disseminated at Surjani Town Karachi.

Rs.130/- Per issue. Annual subscription Rs.1944/- with Reg. Post (Domestic), US$ 75/- (International)

Contact: B-54, Azeemi Mohalla, Sector 4-C, Surjani Town Karachi, Pakistan. Ph: +92 (0)213 6912020

NEST ESTATE ADVISOR
& Construction Management

پنجاب (پاکستان) اور جنوبی امریکہ میں کمرشل،
رہائشی اور منظورشدہ سوسائٹیز سے متعلق معلومات اور
لین دین کے لئے ہم سے رابطہ کریں۔

Muhammad Kamran Riaz

For Details, Contact : +92 334 4980 350

SANGAM HOTEL MUZAFFARABAD

HOSPITALITY IS OUR TRADITION

We serve famous delicious Cuisines, offer Air conditioned Rooms, Suites, well equipped Wedding and Conference hall and great Customer service.

Phone No: +925822444194-5 Fax No: +925822442587

Email:sangamhotel@hotmail.com

- Domestic/Commercial Independent solar systems
- Solar Powered Street Lights
- Solar Tube well pumps
- Hybrid solution for Telecom sector/BTS towers
- Large Scale Photo Voltaic plants

SOLAR SOLUTIONS

CCTV

COMMERCIAL

RESIDENTIAL

SAMSUNG alhua TECHNOLOGY

We offer best IT solutions to meet your needs!

Cummins

Power Generation

DIESEL GENERATORS

GUIDELIGHT
BUSINESS SOLUTIONS

We Offer Sustainable Solutions...

Jawad Tower, Block-B, 4th Floor, Flat # 6, University Road, Peshawar-Pakistan.**Ph#** 091-5711454
E-mail: info@gbs.com.pk , azeemi.moon@gmail .com **web:** www.gbs.com.pk

BOOK NOW
TOYOTA
YARIS
ALL SENSE. ALL SEDAN.
YARIS IS STYLISH - YARIS IS YOUNG - YARIS IS POWERFUL - YARIS IS SAFE
E
F
Excellent Fuel Economy
YARIS
For details Please visit or Call:
UAN: (022) 111 555 121
& 0348-1119705
TOYOTA HYDERABAD MOTORS
AUTO BHAN ROAD